ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
20
2 تا 8 جمادی الثانی 1431ھ / 18 تا 24 مئی 2010ء

اس شمارے میں

اُٹھو، وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

پاکستان کے بگڑتے حالات: سبب اور علاج

قرآن حکیم کی تعمیل اور اقبالؒ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ: پاسبانِ عظمتِ قرآن

اسرارِ انقلاب کو دیکھیے

امیر حلقہ سرحد شمالی کا تعزیتی مکتوب

طالبان حکومت کا خاتمہ کیوں اور کیسے ہوا؟

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

اِسلام: انسان کی آزادی کا اعلان

دینِ حق دراصل اِس عالمگیر اعلان کا نام ہے کہ دنیا میں انسان، انسان کی غلامی سے، اور خود نفس کی غلامی سے جو انسانی غلامی ہی کی ایک شکل ہے، آزاد ہو۔ یہ اعلان دراصل اُس اعلان کا طبعی نتیجہ ہے کہ الوہیت کا مقام صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص ہے اور اس کی شانِ ربوبیت تمام اہلِ جہان کو محیط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین حاکمیتِ انسان کی ہر نوعیت، ہر شکل، ہر نظام اور ہر حالت کے خلاف ہمہ گیر اور کُلّی انقلاب، اور روئے زمین پر قائم شدہ ہر اُس ہیئت کے خلاف مکمل بغاوت کرتا ہے جس میں کسی شکل میں بھی حکمرانی انسان کے ہاتھ میں ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں الوہیت کا مقام انسان نے کسی نہ کسی صورت میں حاصل کر رکھا ہو۔ ایسا نظامِ حکمرانی جس میں معاملات کا آخری رجوع انسان کی طرف ہوتا ہو، اور انسان ہی اختیارات کا منبع ہوں، انسان کو درحقیقت الوہیت کا درجہ دیتا ہے، اور بعض انسانوں کو اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے لیے ”ارباب من دون اللّٰہ“ ٹھہراتا ہے۔ مگر جب یہ اعلان کر دیا گیا کہ ربوبیت اور الوہیت صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غصب شدہ اقتدار غاصبین سے لے کر دوبارہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اور ان غاصبین کو نکال باہر کیا جائے جو انسانوں کی گردنوں پر تختِ حکومت بچھاتے ہیں، خود کو ان کے لیے رب کا مقام دیتے ہیں اور انہیں اپنے غلاموں کا درجہ دیتے ہیں۔ قرآن کا اعلان ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ (یوسف: 40)

”حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اُس کا فرمان ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی دینِ حق ہے۔“

جادہ و منزل
سید قطب شہیدؒ

الھدیٰ (418)

سورۃ الانفال

(آیات:61تا63)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿٦١﴾ وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿٦٣﴾﴾

’’اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔ اور اگر یہ چاہیں کہ تم کو فریب دیں تو اللہ تمہیں کفایت کرے گا۔ وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ مگر اللہ ہی نے ان میں اُلفت ڈال دی۔ بیشک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔‘‘

یہاں ایک اہم بات بتائی جارہی ہے کہ اے نبیؐ! اگر قریش صلح کے لیے آمادہ ہوں اور اپنے کندھے نیچے گرا دیں تو آپ بھی جھک جائیں اور صلح کر لیں۔ اس بات کا اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ صلح کی آڑ میں کوئی چال چل رہے ہوں گے، اگرچہ چوکنا ضرور رہیے۔ باقی بھروسہ اللہ پر کریں۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اور اگر وہ واقعی آپ کو دھوکہ دینا چاہیں گے (تو گھبرائیے نہیں) بے شک اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ یہ گویا رب کی طرف سے ضمانت ہوئی۔ وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ اور اہل ایمان کے ذریعے آپؐ کی مدد کی۔ یہاں اصحابِ رسول ﷺ کی حد درجہ فضیلت بیان ہو رہی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ کا یہ فضل ہوا کہ انہیں ایسے صحابہؓ عطا فرمائے جو مخلص تھے۔ جہاں آپؐ کا پسینہ گرا، وہاں انہوں نے اپنا خون پیش کیا۔ کسی اور کو ایسے ساتھی کب میسر آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو ہی دیکھ لیجئے۔ جب انہیں کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلو تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ﴿فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوۡنَ﴾ (المائدہ:24) یعنی ’’اے موسیٰؑ تم جاؤ اور تمہارا رب۔ پس تم دونوں لڑائی کرو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔‘‘ —— اس کے برعکس صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل دیکھئے۔ جنگ بدر سے پہلے جو دوسری مرتبہ (مقام صفراء پر) مشاورت ہوئی، وہ بڑی کانٹے دار تھی۔ کچھ لوگ مسلسل زور دے کر کہہ رہے تھے کہ ہمیں تجارتی قافلے کی طرف چلنا چاہیے۔ مگر آپؐ بار بار پوچھ رہے تھے تاکہ دوسرے لوگ بھی مشورہ دیں۔ اس پر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، اے نبیؐ آپؐ ہمیں موسیٰؑ کے ساتھی نہ سمجھیے، جنہوں نے کہہ دیا تھا کہ ﴿فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوۡنَ﴾ بلکہ ہم آپؐ کے ساتھی ہیں۔ آپؐ جو حکم دیں ہم حاضر ہیں۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے تقاریر کیں۔ مگر حضورؐ انصار کا منشا معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپؐ بار بار پوچھ رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے اس بات کا اندازہ لگا لیا۔ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ شاید آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے، کیونکہ بیعت عقبہ ثانیہ میں ہمارا جو معاہدہ آپؐ کے ساتھ ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اگر مدینے پر حملہ ہوا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ اور اب تو جنگ مدینہ سے باہر ہونے والی ہے، تو حضورؐ آپ اس معاہدے کو چھوڑیئے۔ ہم آپؐ پر ایمان لاچکے، آپؐ کو اللہ کا رسول مان چکے، اب ہمارے پاس کوئی option نہیں۔ خدا کی قسم، اگر آپؐ اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیں گے تو ہم بھی آپؐ کے پیچھے اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ خدا کی قسم، اگر آپؐ ہمیں کہیں گے کہ ہم اپنی اونٹنیوں کو دبلا کر دیں اور برق الغماد تک جا پہنچیں تو ہم بلا تامل ایسا کریں گے۔ اس پر رسول اللہ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا کہ انصار کی طرف سے بھی مدینہ سے باہر لڑائی کے لیے جانے کی رائے آ گئی ہے۔ یہ تھی اہل ایمان کے ساتھ آپؐ کی مدد۔ اور آسمانی مدد فرشتوں کے ساتھ ہوئی۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور احسان ہے کہ اُس نے اہل ایمان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اور اے نبیؐ اگر آپؐ اُن کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے، پھر بھی ان میں یہ الفت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اُن کے اندر الفت پیدا کر دی۔ یقیناً وہ (اللہ) زبردست ہے، حکمت والا۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے ﴿اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ یعنی ’’وہ وقت یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اُس (اللہ) کی مہربانی سے تم بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مسلمان کی تحقیر کرنا

عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: ((بِحَسۡبِ امۡرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنۡ يَّحۡقِرَ اَخَاهُ الۡمُسۡلِمَ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

اُٹھو، وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی

پاک فوج سے شمالی وزیرستان میں آپریشن کروانے کے لیے امریکہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ اپنے اس مطالبے کو منوانے کے لیے وہ ناجائز حربے استعمال کر رہا ہے اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ خصوصاً فیصل شہزاد والے ڈرامے پر یورپی تجزیہ نگار اور ہمارے ہاں کے سیکولر دانشور بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہے ہیں۔ امریکہ شمالی وزیرستان پر میزائلوں کی بارش برسا کر وہاں کے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہماری فوج شمالی وزیرستان میں آپریشن کرنے پر رضامند ہوگئی تو یہ انتہا نہیں ہوگی بلکہ اس کے بعد جنوبی پنجاب کی باری ہے۔ گویا امریکہ ہمیں خود اپنے خنجر سے خودکشی پر مجبور کر رہا ہے، اور حکمران جن کی آنکھیں ڈالروں کی چمک سے اندھی ہو چکی ہیں اور جن کے کان بہرے ہو چکے ہیں کہ عوام کی چیخ و پکار اور واویلا سن سکیں اور اُن کے دل پتھر سے بھی سخت ہو چکے ہیں کہ بھائیوں کے بہتے خون سے بھی نہیں پسیج رہے۔

ہم ان سطور میں حکومت سے بار بار دست بستہ اور انتہائی شائستگی کے لہجہ میں درخواست کر چکے ہیں کہ وہ دشمن کی خواہش پر اپنوں کا خون نہ بہائے، لیکن یہ زبان حکومت کو شاید سمجھ نہیں آتی۔ وہ ہڑتالوں، توڑ پھوڑ، تخریب کاری، آتش زنی اور سنگ باری کو ہی احتجاج سمجھتی ہے۔ وہ خون خرابے کے بغیر کسی احتجاج پر کان نہیں دھرتی۔ ہم یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسا نہیں کہ ہمیں کوئی خوف لاحق ہے یا ہماری رگوں میں دوڑنے والا خون غیرت سے عاری ہو چکا ہے۔ یقین جانیے، ہمارے دینی بھائیوں کا بہتا ہوا خون ہمارے جسم میں چنگاریاں بھر دیتا ہے۔ ہماری بھی آنکھوں میں خون اُتر آتا ہے۔ ہماری رگ رگ میں بھی انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ ہم نے بھی غیرت مند ماؤں کا دودھ پیا ہے۔ ہمیں بھی شوقِ شہادت دیوانہ کیے دیتا ہے۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کے خلاف میدان میں کود جائیں۔ ہم بھی شہیدوں کے چہرے رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائیوں پر دشمن حملہ آور ہو چکا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے دفاع کے لیے ہتھیار اُٹھا لیے ہیں۔ لیکن ہم سیرت نبویؐ کے مطابق اپنے ان بھائیوں پر ظلم و ستم ہوتا دیکھ کر صبر کریں گے۔ فی الحال اپنے ہاتھ باندھ کر رکھیں گے، جیسے بلال حبشیؓ اور آلِ یاسرؓ پر ظلم و ستم ہوتا تھا تو دوسرے مسلمان صبر کا مظاہرہ کرتے تھے، اپنے ہاتھ روک کر رکھتے تھے۔ سیرت نبویؐ کا سبق یہ ہے کہ ہم طاقت کے مجتمع ہونے کا انتظار کریں، لیکن جونہی مطلوبہ طاقت مہیا ہوگئی ہم ظلم کی حکومت کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ ہم انہیں اقتدار کے ایوانوں میں پل بھر ٹھہرنے نہیں دیں گے۔ ہم پاکستان کو اسلام دشمنوں سے پاک کر دیں گے۔ ان شاء اللہ

حکومت کے پاس ابھی موقع ہے کہ وہ امریکہ سے تعاون کی پالیسی پر یوٹرن لے، وہ امریکہ سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دے کہ تمہاری ہماری کوئی لڑائی نہیں، لیکن ہم کسی مسلمان کا خون کسی قیمت پر نہیں بہائیں گے۔ وہ قبائلی ہوں یا افغانی، ازبک ہو یا چیچن۔ تم اس خطے سے نکل جاؤ۔ نہ پہلے کسی نے امریکہ پر حملہ کیا تھا نہ اب کوئی امکان ہے۔ ڈرامے اسٹیج کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہ خون بہتا رہا تو انسانیت عالمی جنگ کی آگ میں بھسم ہو جائے گی۔

ہم یہاں اسلامی جماعتوں کے کارکنوں سے بھی گزارش کریں گے کہ صحابہ کرامؓ نے اگر اپنے ساتھیوں پر ظلم و ستم برداشت کیا تھا تو ساتھ ساتھ باطل نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے تن من دھن لگا دیا

تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — شمارہ 20

2 تا 8 جمادی الثانی 1431ھ
18 تا 24 مئی 2010ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

تھا۔ انقلاب خواہشات سے برپا نہیں ہوتے، خواہشات قربان کرنے سے برپا ہوتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم باطل نظام سے مراعات بھی حاصل کرتے رہیں اور اُس کے خلاف جدوجہد کرنے کا دعویٰ بھی کرتے رہیں۔ حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ حکومت کو بات سمجھ نہیں آئے گی۔ لالچ اور حرص انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اقتدار کی ہوس تو انسان کو شیطان بنا دیتی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں، اقتدار نے خون کے رشتوں کا تقدس ختم کیا۔ اقتدار نے انسانی کھوپڑیوں کے پہاڑ بنا دیے۔ اقتدار نے زندہ انسانوں کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ لہٰذا نبوی منہج پر انقلاب کے لیے کوشاں رہیں۔ یہی شاہراہ انسانیت کو فلاح کی منزل تک پہنچائے گی۔ وگرنہ آنے والی تباہی یہ نہیں دیکھے گی کہ تم سنی مسلمان ہو یا شیعہ، تنظیمی ہو یا تبلیغی، تم رفع الیدین کرنے والے ہو یا تقلیدی ہو۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ دشمنانِ اسلام آنے والے دنوں میں اس خطے میں ایک خوفناک خونی کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ مومن کبھی موت سے نہیں ڈرتا۔ اگر یہ جنگ ہم پر مسلط ہی کر دی جاتی ہے تو اس کے لیے ہمیں بھرپور تیاری کرنی ہوگی۔ تاکہ اس جنگ میں ہم غازی بن کر ابھریں یا اگر شہادت ہمارے نصیب میں ہو تو زخم ہماری پشت پر نہ لگے، سینے پر آئے۔ اور ہمارے اقتدار پرست رہنما بھی سن لیں کہ دشمن غلبہ حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے غدارانِ ملت کو ٹھکانے لگاتا ہے ؎

اُٹھو، وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

النصر لیب

ایک ہی چھت کے نیچے معیاری ٹیسٹ، ڈیجیٹل ایکسرے، ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی جدید اقسام، کلر ڈاپلر، 4-D، T.V.S، ایکوکارڈیوگرافی، Lungs Function Tests اور OPG (Dental) X-Ray کی سہولیات

ہیپاٹائٹس بی اور سی کے بڑھتے ہوئے امراض کے پیش نظر عوام الناس کے لیے کم قیمت میں ٹیسٹ کروانے کی سہولت

ISO 9001:2000

خصوصی پیشکش

الٹراساؤنڈ (پیٹ)، ایکسرے (چیسٹ) ای سی جی، ہیپاٹائٹس بی اور سی کے ٹیسٹ (Elisa Method)، مکمل بلڈ، اور مکمل یورین، بلڈ گروپ، بلڈ شوگر، جگر، گردے، دل اور جوڑوں سے متعلقہ متعدد بلڈ ٹیسٹ شامل ہیں۔

صرف -/3000 روپے میں

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکیج پر نہیں ہوگا۔

نوٹ: لیب اتوار اور عام تعطیلات پر کھلی رہتی ہے

950-B فیصل ٹاؤن، مولانا شوکت علی روڈ نزد راوی ریسٹورنٹ لاہور
Ph:3 516 39 24, 3 517 00 77 Fax: 3 516 21 85
Mob:0300-8400944, 0301-8413933 E-mail:info@alnasarlab.com

بیابہ مجلسِ اسرار

قرآن کریم پر عبور ناممکنات میں سے ہے

بعض لوگ غیر محتاط انداز میں یہ الفاظ استعمال کر دیتے ہیں کہ ''انہیں قرآن پر بڑا عبور حاصل ہے۔'' یہ قرآن کے لیے بڑا توہین آمیز کلمہ ہے۔ عبور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جانے کو کہتے ہیں۔ قرآن کا تو کنارہ ہی کوئی نہیں ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ قرآن پر عبور حاصل کرے۔ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح اس کی گہرائی تک پہنچ جانا بھی ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تمثیل سے بات کسی قدر واضح ہو جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمندر میں کوئی ٹینکر تیل لے کر جا رہا ہے اور کسی وجہ سے اچانک تیل لیک کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن وہ تیل سطح سمندر کے اوپر ہی رہتا ہے، نیچے نہیں جاتا۔ سطح سمندر پر اوپر تیل کی تہہ اور نیچے پانی ہوتا ہے اور وہ تیل پانچ دس میل تک پھیل جاتا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائی کے باوجود تیل سطح آب پر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح سمجھئے کہ قرآن مجید کی اصل ہدایت اور اصل تذکرہ اس کی سطح پر موجود ہے۔ اس تک رسائی کے لیے سائنس دان یا فلسفی ہونا، عربی ادب کا ماہر ہونا، کلامِ جاہلی کا عالم ہونا ضروری نہیں۔ اس کے لیے آدمی کے اندر صرف دو چیزیں موجود ہونا ضروری ہیں: پہلی خلوصِ نیت اور طلب ہدایت، دوسری قرآن سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف اور اس کی صلاحیت۔ یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو ''تذکر'' کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ البتہ ''تدبر'' کے لیے گہرائی میں اُترنا ہوگا اور اس بحرِ زخار میں غوطہ زنی کرنا ہوگی۔

(از بیان القرآن' حصہ اوّل)

پاکستان کے موجودہ بگڑتے ہوئے حالات: اصل سبب اور علاج؟

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا 30 اپریل 2010ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ النحل اور سورۃ المائدہ کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! میرے والد مرحوم و مغفور کی رحلت کو دو ہفتے ہو چکے ہیں۔ انہوں نے امت کو بہت سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے۔ انہی میں سے ایک سبق یہ بھی تھا کہ خطبۂ جمعہ کا اصل مقصد تذکیر بالقرآن ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے خطبات کے دوران قرآن مجید پڑھا کرتے اور قرآن کے ذریعے لوگوں کو تذکیر و یاددہانی فرمایا کرتے تھے۔ پس جمعہ کا اجتماع ہفتہ وار تربیتی پروگرام ہے۔ خطبۂ جمعہ کا مقصد قرآن مجید کی تلاوت، اس کے ذریعے تذکیر و نصیحت نیز مسلمانوں کو درپیش مسائل کا بیان اور اِن کے ضمن میں قرآن و سنت کی رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

ہم اس وقت بحیثیت قوم مسائل کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ ہم آج جن خوفناک حالات سے دوچار ہیں، ملک کی پوری تاریخ میں ہمیں کبھی اتنے خطرناک اور نازک حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ملک کی سالمیت شدید خطرات سے دوچار ہے۔ اندرونی طور پر بھی سخت خلفشار ہے۔ دہشت گردی اور تخریب کاری کے آئے روز واقعات، ہوش ربا مہنگائی، بے روزگاری، افراطِ زر، لوڈشیڈنگ اور پانی کے بحران نے عوام کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ بیرونی طور پر بھی ملک کی بقاء و سلامتی کو سخت خطرات لاحق ہیں۔ ایک طرف انڈیا ہے جو ہمیں ڈراتا ہے اور ممبئی جیسا واقعہ آئندہ وقوع پذیر ہونے کی صورت میں خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیتا ہے، اور دوسری جانب امریکہ ہمارے درپے آزار ہے جس کے ہم فرنٹ لائن اتحادی بنے ہوئے ہیں۔ وہ یہ کہہ کر کہ آئندہ ممبئی جیسے واقعہ پر انڈیا خاموش نہیں بیٹھے گا بلکہ کارروائی کرے گا، انڈیا کو تھپکی دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امریکہ اور نیٹو فورسز ہماری سرحدوں پر گِدھوں کی طرح منتظر بیٹھی ہیں کہ کب وزیرستان میں خانہ جنگی کے حالات پیدا ہوں اور ہم وہاں کود پڑیں۔ ہمارے حالات جس رُخ پر جا رہے ہیں، اُس سے تو لگتا ہے کہ یہ کوئی دور کی بات نہیں۔ دراصل امریکہ کی نظر ہمارے ایٹمی پروگرام پر ہے۔ وہ ہر قیمت پر ہمیں ہماری ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اُس کی دراندازی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اسلام آباد میں منی پینٹاگون قائم ہو رہا ہے۔ ملک بھر میں امریکی بلیک واٹر کے دہشت گرد اپنا جال بچھا چکے ہیں۔ امریکہ نے اندرونِ ملک ہمیں ایک ایسی جنگ میں جھونک دیا ہے، جس میں ہماری فتح بھی شکست ہے اور شکست تو ہے ہی شکست۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور فرمایا کرتے تھے کہ امریکہ ہمیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ یہ تمہاری اپنی جنگ ہے، حالانکہ یہ سو فیصد اُس کی جنگ ہے۔ جبھی تو ہم اُس کے مقاصد کے لیے اپنی فوج کو کرایہ کی فوج کے طور پر استعمال کر رہے اور ڈالروں کی صورت میں اِس کی قیمت وصول کر رہے ہیں۔ ہمیں اس بات کی ذرا پروا نہیں کہ آپریشن سے متاثرہ علاقوں سوات، دیر، باجوڑ اور قبائلی علاقوں میں فوج کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ امریکہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہاں سے خانہ جنگی کا آغاز ہو جائے۔

پچھلے دنوں تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام ایک قومی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں تمام مکاتب فکر کے چیدہ چیدہ لوگوں کو دعوت دی گئی تھی۔ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔ لوگوں نے زیادہ تر ملک کے داخلی مسائل غربت و افلاس اور کرپشن اور اُس میں بالائی طبقے کے کردار کو ہدفِ تنقید بنایا۔ یہ درست ہے کہ اشرافیہ عرصہ دراز سے اس ملک کو لوٹ رہی ہے۔ مگر محض ایک طبقے کو موردِ الزام ٹھہرا کر خود کو بری الذمہ کر لینا صحیح نہیں۔ کرپشن کا ناسور ایسا ہے جس میں قوم کی عظیم اکثریت مبتلا ہے۔ اس کانفرس میں جب مجھے گفتگو کا موقع ملا تو میں نے عرض کیا کہ ایک ہے حالات کو مادی نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور پھر مسائل کا حل تجویز کرنا۔ اور ایک اس سے اوپر ایمانی اور روحانی حقائق کی روشنی میں صورتحال کا تجزیہ کرنا ہے۔ مسلمان کا معاملہ یہ ہے کہ اُس کی دو آنکھیں ہیں: قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ۔ وہ انہی سے رہنمائی لیتا ہے۔ یہ سوال ہمارے گہرے غور کا متقاضی ہے کہ ہم اندرونی و بیرونی حوالے سے جس خوفناک صورتحال سے دوچار ہیں، اس کی وجہ کیا ہے۔ اندرونی طور پر دہشت گردی، خوف، تخریب کاری، بے روزگاری اور غربت اور بیرونی طور پر انڈیا اور امریکہ کی سازشیں، کیا یہ ساری صورتحال محض حکمران طبقے کی وجہ سے ہے۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طبقہ ظالم ہے۔ اِسے دین، ملت اور ملک کے مفاد سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کی تمام تر دلچسپی اپنے اقتدار سے ہے۔ لیکن ظالم حکمرانوں کا مسلط ہونا بھی تو ہماری اپنی بداعمالیوں کی سزا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ((اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ)) یعنی ”تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہوں گے۔“ ایک مسنون دعا کے الفاظ ہیں: ((اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا)) ”اے ہمارے رب (ہمارے گناہوں کی پاداش میں) ہم پر ایسے حکمران مسلط نہ کرنا جو ہم پر ترس نہ کھائیں۔“

حکمران طبقے کو کلی طور پر موردِ الزام ٹھہرانے کی

بجائے ضروری ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ پاکستان کا اصل المیہ کیا ہے؟ دیکھئے، پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہندو اور انگریز کی دوہری مخالفت کے باوجود یہ ملک معجزانہ طور پر ہمیں عطا کیا۔ اس ملک کی سرزمین ایسی ہے، جو ہر قسم کے وسائل سے مالا مال ہے۔ ہمارے پاس سونا اُگلتی زمینیں، سرسبز و شاداب پہاڑ، لہلہاتے میدان، خوبصورت اور دلکش وادیاں، ہر قسم کی معدنیات، ساحل سمندر، دریا اور جنگلات ہیں۔ وہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہ عطا کی ہو۔ مگر ہم نے اللہ کی عطا کی ناقدری کی تو اللہ نے ہمارے اچھے حالات کو زبوں حالی میں بدل دیا، اور ہم پر سے اپنی نظرِ رحمت ہٹالی۔ اگر ہم اللہ کے انعامات کی ناقدری نہ کرتے، اُس کی شریعت سے انحراف اور تعمیل و نفاذ اسلام کے وعدے سے پہلو تہی نہ کرتے تو اللہ ہمارے اچھے حالات کو بدلنے والا نہ تھا۔ یہ اُس کی سنت ہے کہ کسی قوم کے اچھے حالات کو اُس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود ہی ناشکری اور کفرانِ نعمت کی روش نہ اختیار کرے۔

﴿بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الانفال:53)

’’یہ اس لیے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں، اللہ اسے نہیں بدلا کرتا۔‘‘

سورۃ الرعد آیت 11 میں فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾

’’اللہ اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی عطا کی، مگر ہم نے اُس کی ناشکری کی، نتیجتاً آج ہماری آزادی سوالیہ نشان بن چکی ہے۔ ہم آزاد کہلانے کے باوجود عالمی اداروں اور امریکہ کے محکوم ہیں۔ آئی ایم ایف اور امریکہ کی ڈکٹیشن پر ملک چل رہا ہے۔ آئی ایم ایف کی طرف سے جب دباؤ بڑھتا ہے کہ بجلی کے نرخ بڑھا دو تو ہم بڑھا دیتے ہیں۔ ہماری پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب فوجی آپریشن نہیں ہوگا، مسائل مذاکرات کے ذریعے حل کیے جائیں گے، محض ڈیڑھ ماہ بعد اس فیصلہ کو اُٹھا کر کوڑا دان میں پھینک دیا گیا اور امریکہ کے دباؤ پر سوات میں فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا۔ یہی نہیں ہمارا طرزِ عمل شاہد ہے کہ ہمیں جہاں بھی فوجی آپریشن کا حکم ملے گا، ہم اُس کے لیے تیار ہیں، قطع نظر اس سے کہ یہ عدل و انصاف اور قومی سلامتی کے تقاضوں کے یکسر منافی ہو۔ ہمیں تو بس ’’اجرت‘‘ سے غرض ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں آزادی عطا کر کے غلامی سے نجات دے دی تھی، مگر غلامی کا قلادہ ہم نے پھر سے اپنے گلے میں ڈال دیا ہے۔ ہماری اس غلامی و محکومی اور ذلت و رسوائی کا اصل سبب اللہ کی ناشکری ہے۔ یہ بات سورۃ النحل میں ایک بستی کی مثال کے ذریعے ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس بستی کا حال پڑھتے ہوئے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ پاکستان ہی کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

> ہمیں جوڑنے والی شے اسلام تھی، جب اُسے ترک کر دیا تو پھر ہم ایک نہ رہ سکے، ذہنی اور قلبی طور پر بکھر گئے۔ ہماری شناخت علاقائی اور لسانی تعصبات بن گئے

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾

(النحل:112)

’’اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔‘‘

یہاں جس بستی کا ذکر ہے، اس میں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ دہشت گردی، بدامنی، انتشار اور خوف کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ ہمارا بھی یہی حال تھا۔ آج تو قومی خزانے سے خطیر رقم خرچ کر کے بھی سیکورٹی کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے باوجود بھی لوگوں کو جان و مال کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ لیکن ایک وقت تھا جب امن و امان کا یہ حال تھا کہ ایئرپورٹ کے دالان میں بھی ہم لوگ اپنے مسافروں کے استقبال کے لیے چلے جاتے تھے، مگر کوئی پوچھتا نہ تھا۔ مسافر ہمارے سامنے جہازوں سے اُترتے اور سوار ہوتے تھے۔ قتل و غارت بالکل نہیں تھی۔ کوئی ایک دوسرے کا گریبان نہیں پکڑ رہا ہوتا تھا۔ صوبائی اور لسانی عصبیتیں اس درجے نہ تھیں، جتنی آج ہیں۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ پاکستان کا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ پانی اور بجلی کے بحران سے نجات کے لیے کالاباغ ڈیم کی تعمیر ازحد ضروری ہے مگر اس کے باوجود اس راہ میں صوبائی اور لسانی مسئلہ آڑے آرہا ہے۔ صوبوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے۔ صوبائی اور گروہی مفادات قومی نوعیت کے اس منصوبے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

﴿يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾

’’ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔‘‘

اس بستی میں رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ ایک زمانے میں ہمارا بھی یہی حال تھا۔ چیزیں سستی ہوتی تھیں۔ قلت کے تصور سے بھی ہم آشنا نہ تھے۔ مگر کفرانِ نعمت، عہدِ بندگی سے انحراف اور نفاذِ اسلام کے وعدے سے پہلوتہی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذلت و رسوائی اور پستی کا شکار بنا دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم انفرادی سطح پر بھی اسلام کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلتے اور اپنی حیاتِ اجتماعیہ میں بھی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی، نظامِ شریعت کو جاری و ساری کرتے۔ اللہ نے شریعت اسی لیے تو عطا کی تھی، نہ کہ اس لیے کہ محض اس کے قصیدے پڑھے جائیں اور اس کے مثالی نظام ہونے کے بارے میں فکرانگیز مقالات لکھے جائیں۔ حاکمیتِ اعلیٰ کی سزاوار صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم سب اُس کے بندے ہیں۔ لہٰذا قانون اُسی کا نافذ ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہم ایسا نہ کر سکے۔ اجتماعی سطح پر نفاذِ اسلام تو دور کی بات ہے، انفرادی زندگی میں بھی ہم اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ نماز جو کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والی شے ہے، ہمارے ہاں دس فیصد سے بھی کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس کی پابندی کرتے ہوں۔ پھر ان نمازیوں میں سے بھی کتنے ہوں گے جو پورے اسلام پر چلتے ہوں۔

﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ﴾

’’مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔‘‘

خوف اور بھوک کے دو عذابات جو آج ہم پر مسلط ہیں، یہ شریعت سے روگردانی کی سزا ہے۔ آج خوف کا یہ عالم ہے کہ کسی کو بھی جان و مال کا تحفظ حاصل نہیں۔ عدمِ تحفظ کے احساس نے سکون و اطمینان چھین لیا ہے۔ سیکورٹی پر خطیر رقم خرچ کرنے کے باوجود اس مسئلہ پر

قابو نہیں پایا جاسکا۔ اور بھوک کی کیفیت یہ ہے کہ آئے روز خودکشیاں ہو رہی ہیں۔ بھوک اور خوف ہی نہیں ہمارا جسد قومی اور بھی کئی مسائل کے داغوں سے داغدار ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ حل ہو جائے تو حالات سنور جائیں گے۔ یہ بالکل سطحی تجزیہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک ہم اس حقیقت کا ادراک نہیں کریں گے کہ یہ صورتحال کس جرم کی سزا ہے، پھر اس جرم کے ازالے کی کوشش نہیں کریں گے، ہماری نیا یونہی ہچکولے کھاتی رہے گی۔ ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم نے اسلام سے انحراف کیا، ہم آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ہم اُسی طرح دنیا پرستی کی ڈگر پر چل نکلے ہیں جیسے ملحد اور کافر چل رہے ہیں۔ ہمارا فلسفۂ حیات بھی دنیا پرستی بن چکا ہے۔ بچوں کو بھی سکھایا جاتا ہے کہ اپنے مستقبل کو بہتر بناؤ، اور اُس کے لیے جسم و جان کی تمام صلاحیتیں صرف کر دو، حالانکہ یہ دنیا تو دارالامتحان ہے۔ ہمارا اصل مستقبل تو آخرت ہے، جو دائمی اور حقیقی ہے۔ لہٰذا اگر فی الواقع ایمان آخرت پر ہو تو ہمیں اُسی کی فکر ہو۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

> امریکہ ہمیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ یہ تمہاری اپنی جنگ ہے، حالانکہ یہ سو فیصد اُس کی جنگ ہے۔ جبھی تو ہم اپنی فوج کو کرایہ کی فوج کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور ڈالروں کی صورت میں اِس کی قیمت وصول کر رہے ہیں

﴿وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (الحشر:18)

"اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (یعنی فردائے قیامت) کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے۔"

سورۃ التحریم میں فرمایا:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (آیت: 6)

"اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشِ (جہنم) سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

نہ تو مسلمان والدین اور نہ تعلیمی ادارے اور میڈیا اس جانب رہنمائی کر رہے ہیں۔ سبھی دنیا پرستی کا پرچار کر رہے ہیں۔ اگر دنیا سے متعلق ملحدوں کی سوچ اور ہماری سوچ ایک جیسی ہے تو پھر ہم میں اور اُن میں نقطۂ نظر کیا فرق ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم بھی مادہ پرستانہ سوچ کے حامل ہیں اور ایمانی حقائق کی ہماری نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اسلام و شریعت سے وفاداری کرتے تو ہمیں امن و امان، عدل و انصاف اور چین و اطمینان نصیب ہوتا۔ آسمان سے برکات کا نزول ہوتا۔ اور ہر طرف خوشحالی ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں جو تکمیل شریعت کی سورت ہے، فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾

"اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔ ان میں کچھ لوگ میانہ رَو ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں۔"

یعنی اگر اہل کتاب شریعت سے وفاداری کرتے، شریعت کے احکامات پر عمل کرتے، شرعی حدود کو قائم کرتے، تو اس کی برکت سے آسمان سے بھی اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوتی اور اللہ کے حکم سے زمین بھی اپنے خزانے اگل دیتی۔ ہر طرف خوشحالی ہوتی۔ دور خلاف راشدہ میں بھی یہی ہوا تھا۔ نفاذ شریعت اور اقامت حدود کی برکت سے چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ لوگ زکوٰۃ لیتے پھرتے تھے، مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں نوے فیصد سے زائد آبادی مسلمانوں کی ہے، مگر اس کے باوجود ہم نے یہاں اسلامی شریعت نافذ نہ کی۔ تریسٹھ سال سے مغربی جمہوریت ہی کو سینے سے لگائے رکھا ہے۔ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ قوم کو شریعت کے نفاذ و قیام میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ اسی کا مظہر ہے کہ اس ملک میں بحالیٔ جمہوریت یا کسی اور ایشو پر تو تحریکیں چلائی گئیں، مگر نفاذ اسلام کے لیے کوئی تحریک نہیں چلی۔ ملک میں جو نظام چل رہا ہے اُس میں ظلم و ناانصافی سکہ رائج الوقت ہے، اور یہ ظلم زندگی کے ہر شعبے میں ہے مگر حیرانی کی بات ہے کہ ہم پھر بھی اِسی گلے سڑے نظام کو جاری رکھنے پر مصر ہیں، اُسے تبدیل کرنے اور شریعت نافذ کرنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ جو شریعت اور خلافت کا نام بھی لے اُسے نشانِ عبرت بنا دیتے ہیں۔ لال مسجد کی تحریک اس کی نمایاں مثال ہے۔

دین و شریعت سے اس قدر بے وفائی بھی ہو اور حالات کے بہتر ہونے کی بھی امید رکھی جائے تو یہ محض خام خیالی ہے۔ اس انحراف سے تو مسائل اور بڑھیں گے۔ ملک اور زیادہ عدم استحکام کا شکار ہوگا۔ آج صوبہ بلوچستان کے بعض علاقوں میں پاکستان زندہ باد کا نعرہ نہیں لگایا جاسکتا۔ بلوچی پنجابیوں کو اپنا بدترین دشمن کہہ رہے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمیں جوڑنے والی شے اسلام تھی، جب اُسے ترک کر دیا تو پھر ہم ایک نہ رہ سکے، ذہنی اور قلبی طور پر بکھر گئے۔ ہماری شناخت علاقائی اور لسانی تعصبات بن گئے۔ اس ملک پر ایک عرصہ تک فوجی حکمرانی رہی۔ اور فوج کا تعلق زیادہ تر پنجاب سے ہے، لہٰذا ملک بھر میں یہ احساس پایا گیا کہ ہم پر پنجاب حکومت کر رہا ہے۔ سابق فوجی آمر پرویز مشرف کے دور میں اکبر بگٹی کے قتل نے بلوچستان والوں کی نفرت میں اور اضافہ کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ موجودہ عوامی حکومت اس ڈکٹیٹر کو اس کے کیے کی سزا دیتی۔ اِسے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا، مگر آغاز حقوق بلوچستان کا چرچا کرنے والوں کو اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صوبائی منافرت ہو، یا لسانی تعصبات، دہشت گردی اور غربت و افلاس کے مسائل ہوں یا پھر گھمبیر خارجی خطرات، یہ سب مسائل حل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اسلام سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، اسلامی اقدار اور نظریے کو پروموٹ کریں، اسلام کے نظام عدم اجتماعی کو بالفعل قائم کریں جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ نفاذِ شریعت کی برکات سے ہمارے تمام قومی دکھوں کا مداوا ہوگا اور ہم پر برکات کا نزول ہوگا۔ ایک حدیث رسولؐ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے نفاذ حدود اللہ کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کا نفاذ مسلسل چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔"

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

قرآن حکیم کی تعمیل اور علامہ اقبال

حافظ محمد مشتاق ربانی

ہر مذہب کا ماننے والا اپنی مذہبی کتاب کا نہایت احترام کرتا ہے۔ یہودی تورات کا احترام کرتے ہیں، عیسائی انجیل کا احترام کرتے ہیں اور ہم مسلمان قرآن حکیم کا بے حد ادب کرتے ہیں۔ اسے خوبصورت غلاف میں لپیٹتے ہیں۔ اسے اپنی آنکھوں اور سینے کے ساتھ تسکین حاصل کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ اس کتاب ہدایت کی پیروی کرنے سے گریزاں ہیں، اگرچہ اس کا احترام ازحد لازم ہے لیکن اگر ہم اس کی رہنمائی کو من وعن تسلیم نہیں کرتے تو ہمارا ظاہری احترام مصنوعی اور دکھاوے کا ہوگا۔ یہ کتاب ہدایت ہے کہ یہ ہماری رہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اس سے بے اعتنائی بہت بڑا جرم ہے۔ علامہ اقبال ہمیں اپنے افکار، اشعار اور اپنے طرز عمل سے قرآن حکیم کی پیروی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ علامہ اقبال قرآن حکیم کے عملی پہلو کے بارے میں اپنے خطبات ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' میں کہتے ہیں:

"The Quran is a book which emphasizes deed rather than idea.

(قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جو فکر سے زیادہ عمل پر زور دیتی ہے۔)

ارمغانِ حجاز کی نظم میں فرماتے ہیں:

برہمن از بتاں طاق خود آراست
تو قرآں را سرِ طاقے نھادی!

(برہمن نے اپنے طاق کو بتوں سے سجایا ہے اور اے مسلمان تو نے قرآن کو طاق پر رکھ چھوڑا ہے۔ یعنی ہندو تو اپنے مذہب پر قائم ہے لیکن تو اپنے دین سے ہٹ گیا ہے) گویا علامہ اقبال مسلمانوں کی قرآن حکیم کے ساتھ رویہ کی تصویر کشی کر رہے ہیں کہ مسلمان نہ قرآن کو سمجھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں، بلکہ اسے خوبصورت جزدان میں لپیٹ کر ایسی جگہ پر رکھتے ہیں کہ جہاں سے اُتارنے کے لیے سیڑھی درکار ہوتی ہے، حالانکہ اس سے راہنمائی حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے کی ضرورت ہے۔

ارمغانِ حجاز میں ہی نظم: ''صوفی وملا'' میں اقبال فرماتے ہیں:

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز این نیست
کہ ازیستن، او آساں بمیری
ز قرآن پیش خود آئینہ آویز
دگر گوں کشتہ ای، از خویش بگریز
ترازوے بند کردار خود را
قیامت ہائے پیشین را برانگیز

''اے مسلمان! تو صوفی وملا کے فریب کم نگہی اور کج ادائی کا اسیر ہے، اور حکمتِ قرآن سے پیغام حیات حاصل نہیں کر رہا۔ قرآن کی آیات سے تیرا تعلق صرف اتنا رہ گیا ہے کہ تو اس کی سورۃ ''یٰسین'' کی تلاوت سے اپنی آسان موت کا سامان کرے۔ تو اپنے سامنے قرآن کریم کا آئینہ لٹکا اور دیکھ کہ تو بالکل بدل چکا ہے۔ تو اپنے آپ سے بھاگ (تجھ میں مسلمانوں والی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ تو خود میں صحیح مسلمانوں والے اوصاف پیدا کر) تو اپنے کردار و عمل کا جائزہ لے اور اپنے کردار کو اس کے ترازو میں تول اور قیامت سے پہلے قیامت برپا کردے (یعنی صحیح راستہ اختیار کر کے وہ انقلابات برپا کر جو ماضی کے مسلمانوں نے برپا کیے تھے)''

اوپر مذکور اشعار میں علامہ اقبال سورۃ ''یٰسین'' کے خواص سے انکار نہیں کر رہے ہیں کیونکہ سورۃ ''یٰسین'' کے خواص اپنی جگہ آزمودہ اور مجرب ہیں کہ اس کی تلاوت کرنے سے انسان سکرات الموت سے محفوظ رہتا ہے۔

انسان صحیح معنوں میں مسلم اس وقت ہوتا ہے جب قرآن کے فرمائے ہوئے اوامر ونواہی اس کی اپنی خواہش بن جائیں

دراصل علامہ اقبال ان اشعار میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم اور سورۃ یٰسین کو سکرات الموت سے بچنے تک محدود کر دینا درست نہیں ہے، بلکہ قرآن حکیم پر عمل کرنے سے زندگی کے سارے مراحل سہل ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبال نہ صرف نظریاتی طور پر قرآن حکیم پر عمل کرنے پر زور دیتے ہیں بلکہ انہوں نے عملی طور پر بھی بعض ایسے نقوش چھوڑے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان کو قرآن حکیم پر عمل کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ فقیر سید وحید الدین اپنی کتاب ''روزگارِ فقیر'' (جلد دوم) میں ''احترام قرآن'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: علامہ کی چھوٹی ہمشیرہ کی شادی وزیر آباد کے ایک گھرانے میں ہوئی تھی۔ غالباً اس لیے کہ اُن کے یہاں شادی کے بعد ایک دو سال میں کوئی اولاد نہیں ہوئی، اُن کی خوش دامن نے سسرال میں اُنھیں رہنے نہ دیا۔ تلخی اتنی بڑھی اور بات یہاں تک پہنچی کہ وہ مجبوراً میکے چلی آئیں اور کئی سال وہیں رہیں۔ اُن کی ساس نے بیٹے کی دوسری شادی کر دی۔ پھر نہ معلوم کیا واقعات پیش آئے کہ وہ اپنی اس دوسری بہو پر بھی سوکن لے آئیں۔ علامہ کے بہنوئی ایک سعادت مند بیٹے کی طرح اپنی والدہ کی زندگی بھر خدمت اور اطاعت کرتے رہے۔ ماں نے جو کہا، اُس کی تعمیل کی۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد انہوں نے اپنی پہلی بیوی کو گھر لے جانا چاہا اور کئی مہینے تک کوشش جاری رکھی۔ وہ بار بار علامہ کے والد کے پاس طرفین کے رشتے داروں کو مصالحت کے لیے بھیجتے رہے۔ پہلے تو اِدھر سے انکار ہوتا رہا۔ پھر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد علامہ کے والد اور والدہ صاحبہ دونوں رضا مند ہو گئے۔ ساس اور سسر کی رضا مندی کا سہارا پا کر علامہ کے بہنوئی کچھ عزیزوں کو ساتھ لے کر اپنے سسرال آگئے۔ اتفاق کی بات کہ اُن دنوں علامہ بھی سیالکوٹ گئے ہوئے تھے۔ انھیں جب اس کا علم ہوا کہ اُن کے بہنوئی مصالحت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں، تو اُن کی برہمی کی کوئی حد ونہایت ہی نہ رہی۔ والد صاحب نے بہت کچھ سمجھایا، مگر علامہ یہی کہتے رہے کہ مصالحت نہیں ہوسکتی، ہرگز نہیں ہوسکتی، آنے والوں کو واپس کر دیا جائے۔ اُن کے والد نے جب دیکھا کہ اقبال کسی طرح

رضا مند ہی نہیں ہوتے تو انہوں نے خاص انداز میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ﴾ (النساء:128) (صلح میں بھلائی ہے) اتنا سننا تھا کہ علامہ خاموش ہو گئے۔ اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، جیسے کسی نے سلگتی ہوئی آگ پر برف کی سل رکھ دی ہو۔ اُن کے والد نے قدرے توقف کے بعد علامہ سے پوچھا کہ پھر کیا فیصلہ کیا جائے؟ علامہ نے جواب دیا، وہی جو قرآن کہتا ہے۔ چنانچہ مصالحت ہو گئی اور چند دن کے بعد اُن کے بہنوئی اپنی بیوی یعنی علامہ کی چھوٹی بہن کو رخصت کرا کے اپنے گھر لے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ صلح خیر ہی ثابت ہوئی۔ پہلی بیوی ہونے کی حیثیت سے گھر کا پورا اختیار علامہ کی بہن کے ہاتھ میں رہا۔ مگر اُنہوں نے سوکنوں اور اُن کی اولاد کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ بدمزگی اور شکر رنجی کی نوبت ہی نہ آنے دی۔

علامہ اقبال نے ایک مرتبہ مسلمان کی تعریف میں فرمایا جس کا مفہوم محمد حامد نے اپنی کتاب ''افکار اقبال'' (ص: 29) میں بیان کیا ہے کہ ''انسان صحیح معنوں میں مسلم اس وقت ہوتا ہے جب قرآن کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی اس کی اپنی خواہش بن جائیں۔ یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی حاکم یا آقا کے حکم و تسلط کے ماتحت فضائل اخلاق و عبادات پر کاربند اور ذمائم و قبائح نفس سے مجتنب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اس کی اپنی تمنا بن کر اس کے عمق روح سے اچھلیں۔ قرآن اس کے حق میں ایک تلخ اور شافی دوا نہ رہے بلکہ ایک لذیذ اور زندگی بخش غذا نہ بن جائے۔ منشائے الٰہی اور فطرت انسانی میں مغائرت نہ رہے۔ یہی مطلب ہے ﴿فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا﴾ کا۔ (روم:30)

آپ نے دیکھا کہ علامہ اقبال نے کیسے قرآن حکیم سے عملی طور پر راہنمائی حاصل کی اور اس پر عمل کرتے رہے بلکہ بعض ایسے نقوش چھوڑے کہ جن سے قرآن حکیم پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اس کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کریں، کیونکہ عمل کرنے کے لیے ہی یہ کتاب نازل ہوئی۔ اقبال فرماتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

☆☆☆

پریس ریلیز

فیصل شہزاد کا ڈرامہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لیے رچایا گیا

امریکی دھمکیوں پر پسپائی اختیار کر کے ہم اپنی سیاسی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے

پاکستان کو بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم دشمن اور اس کے نظام کو مسترد کر کے یہاں اسلام کا عادلانہ نظام رائج کریں

حافظ عاکف سعید

○ فیصل شہزاد کا ڈرامہ امریکا نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ پاکستان پر دباؤ بڑھانے کے لیے رچایا ہے، جس طرح نائن الیون کا واقعہ افغانستان کی طالبان حکومت پر ملبہ ڈالنے کے لیے پلان کیا گیا تھا۔ 63 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ امریکا نے ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ امریکا کو دراصل اللہ نے عذاب کے طور پر ہمارے سروں پر مسلط کیا ہے، کیونکہ ہم نے اپنی بداعمالیوں سے اللہ کے غضب کو بھڑکا کر خود کو عذاب الٰہی کا مستحق بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن، ماڈل ٹاؤن لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایٹم بم بنا کر ہم خود کو محفوظ سمجھتے تھے لیکن آج وہی ہمارے لیے پریشانیوں کا سبب ہے۔ اس ڈیٹرنٹ کی بدولت خیال تھا کہ بھارت کو ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہو گی لیکن آج بھارت نے ہمارے حصے کے پانی پر قبضہ جما کر گویا ہماری شہ رگ دبوچ رکھی ہے اور ہم احتجاج کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ہم نے اپنے مالک حقیقی سے وفاداری کی بجائے اس کے دشمنوں کی فرماں برداری کی اور مادّی وسائل و تدابیر کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہا۔ ہم یہ بھول گئے کہ جب تک رب کائنات نہ چاہے دنیا کی کوئی طاقت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ قیام پاکستان کے 24 برس بعد ہی سزا کے طور پر پاکستان دولخت ہو گیا لیکن ہم نے اپنی روش نہ بدلی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام محب وطن اور ملک و قوم کا درد رکھنے والے حلقے اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان پر جو نازک وقت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ ہم نے مشرف سے نجات حاصل کر کے جنہیں منتخب کیا وہ اس سے کہیں بڑھ کر امریکا کے وفادار نکلے۔ آج ہم امریکا کی جنگ میں اپنے عوام کو خود مار رہے ہیں۔ جو کہ دشمن کی پاکستان کو توڑنے کی سازش کا حصہ ہے۔ ان تمام مسائل سے نکلنے کے لیے ہمیں امریکا کے مقابلے میں کائنات کی سب سے بڑی طاقت کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ہم قوم یونسؑ والی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آئے ہوئے عذاب کو ٹالنے پر قادر ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی سطح پر اللہ کی مکمل فرماں برداری اختیار کرتے ہوئے اجتماعی سطح پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ یقیناً اللہ کی نصرت و تائید سے ہم کمزور ترین ملک سے طاقتور ترین ملک بن کر دنیا کی رہبری کا فریضہ ادا کرنے کے قابل ہوں گے۔

(پریس ریلیز 7 مئی 2010ء)

○ حکمران خوئے غلامی میں اس قدر پختہ اور تجربہ کار ہو گئے ہیں کہ انہوں نے امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کی دھمکیوں کا زبانی جواب دینا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ ایک دانشور اور سفارت کار کا یہ قول صد فیصد درست ہے کہ امریکہ کبھی دشمن پر نہیں ہمیشہ دوست پر حملہ آور ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی دوستی نے آج ہمیں اس حال میں پہنچایا ہے کہ ہم اپنے ہم وطن اور ہم مذہب لوگوں پر بمباری کرتے ہیں اور ان کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکی دوستی اور اتحاد سے چھٹکارا حاصل کر کے ہی ہم امریکی جارحیت سے بچ سکتے ہیں۔ پاکستان کو بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم دشمن اور اس کے نظام کو مسترد کر کے یہاں اسلام کا عادلانہ نظام رائج کریں۔ وگرنہ امریکی دھمکیوں پر پسپائی اختیار کر کے ہم اپنی سیاسی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ (پریس ریلیز: 12 مئی 2010ء)

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

ڈاکٹر اسرار احمد پاسبانِ عظمت قرآن

عزیز احمد اعوان
(مرکزی جنرل سیکرٹری تعمیر پاکستان پارٹی)

پاکستان کے علماء کرام کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ آہستہ آہستہ ممتاز علماء کرام دُنیا سے اُٹھتے جا رہے ہیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر، عارف الحسینی، ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، علامہ محمد سلیم قادری، کے بعد اب ڈاکٹر اسرار احمد کا اچانک چلے جانا کسی المیے سے کم نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار وطن عزیز کے اُن ممتاز علماء کرام اور دانشوروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی عظمت قرآن، حفاظت قرآن اور پیغام قرآن کو پھیلانے کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ایسے علماء کرام کسی بھی معاشرہ کا عظیم اثاثہ ہوا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد 26 اپریل 1932ء کو ہریانہ ضلع حصار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ اپریل میں پیدا ہونے والی یہ عظیم شخصیت 14 اپریل کو ہی دارفانی سے دارالبقا کو چ کر گئی۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم وہیں پر حاصل کی۔ اُن کے بچپن کے دوست پروفیسر مشکور حسین یاد کے مطابق جناب ڈاکٹر اسرار احمد کو بچپن ہی سے مرزا غالب اور علامہ اقبال کے سینکڑوں شعر زبانی یاد تھے۔ سکول کی تعلیم کے دوران ہی اُنہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کی حیثیت سے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد 20 دن کا سفر پیدل طے کر کے پاکستان تشریف لائے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ اس دوران وہ اسلامی جمعیت کے سرگرم لیڈر اور پاکستان میں پہلے ناظم اعلیٰ بھی منتخب ہوئے۔ بعد میں احیائے اسلام کے لیے جماعت اسلامی سے منسلک ہو گئے۔ اسی دوران کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکری اور علمی تحریک سے بے حد متاثر ہوئے۔ 1957ء میں ماچھی گوٹ سندھ میں جماعت اسلامی سے اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی اور ممتاز کالم نگار دانشور ارشاد احمد حقانی مرحوم بھی جماعت اسلامی کے کارواں سے الگ ہو گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد بلا کے دانشور تھے اور حقیقی معنوں میں وسیع مطالعے کے مالک تھے۔ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، آغا شورش کاشمیری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی کی طرح شعلہ بیاں، مقرر اور معتبر دانشور تھے۔ آواز میں جادو تھا۔ مسلسل پانچ چھ گھنٹے خطاب کرنا اور ہزاروں سامعین کو اپنے سحر میں گرفتار کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو علماء کرام میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ اُن کی بلاغت اور بصیرت کی پوری دنیا گرویدہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا الیکٹرانک میڈیا پر عظمت قرآن کے حوالے سے ''الہدیٰ'' پروگرام بہت معروف ہوا۔ اُنہوں نے پرائیویٹ ٹی وی چینلز کے ذریعے پوری دنیا میں قرآن پاک کی تعلیم کو عام کیا، پوری دُنیا میں اُن کا حلقہ احباب تھا جو اِنہیں بے حد پسند کرتا تھا۔ جب جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے مجلس شوریٰ بنائی تو اُس میں ڈاکٹر صاحب کو بھی شامل کر لیا گیا۔ پھر جب ڈاکٹر صاحب نے اس شوریٰ کے دو اجلاس اٹینڈ کیے تو اُنہوں نے اپنی بصیرت سے دیکھ لیا کہ جنرل ضیاء الحق اسلام کے معاملے میں قوم سے مخلص نہیں ہیں۔ اس لیے اُنہوں نے استعفادے دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے قومی اخبارات میں دینی مکتبہ فکر کے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے دینی موضوعات پر کالم تحریر کیے جنہیں عوام بے حد پسند کرتے تھے۔

راقم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ چار سال تنظیمی کام کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک کا پیغام گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر خوب پھیلایا۔

ڈاکٹر اسرار احمد گزشتہ کئی دہائیوں سے لاہور کے دلکش باغ جناح کی مسجد دارالسلام میں نماز جمعہ کی خطابت کرتے تھے۔ یہاں پر انہوں نے لوگوں کو دینی علم کے حصول میں مدد دینے کے لیے ایک لائبریری بھی قائم کروائی تھی۔ اب وہ پاکستان کے پرائیویٹ ٹیلی ویژن چینلز پر درس قرآن کے خطبات کے علاوہ بھارت کے ڈاکٹر ذاکر نائیک کے ''پیس'' ٹیلی ویژن پر بھی خطاب فرماتے تھے اور لوگ ان کو عقیدت کے ساتھ سنتے اور ان کے پیغام کو آگے پہنچاتے تھے۔ رمضان المبارک میں پاکستان کے کئی ٹیلی ویژن چینلز اور ریڈیو سے پورا مہینہ درس قرآن کی شاندار نشست ہوا کرتی تھی۔ جس میں وہ انتہائی مدلل اور عام فہم انداز میں قرآن کریم کی تعلیمات کو بنی نوع انسان تک پہنچاتے تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو مروجہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے لیکن وہ ملک کی سیاسی صورتحال سے خود کو الگ بھی نہیں رکھتے تھے۔ اہم قومی امور پر اپنی بھرپور رائے دینے سے انہوں نے کبھی گریز نہیں کیا۔ وہ بقول اقبال ''جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی'' کے قائل تھے۔ اس وقت ہماری قوم کو جس دہشت گردی کا سامنا ہے انہوں نے اس کے اصل محرکات کو اجاگر کیا۔ ان کی بنیادی رائے یہ بھی تھی کہ اس وقت ہمارے ملک کی سیاسی جماعتیں حقیقت میں سیاسی جماعتیں نہیں ہیں۔ ان کا مؤقف تھا کہ مسلم لیگ 1937ء سے 1947ء تک ایک تحریک تھی جس کے جھنڈے کے نیچے برصغیر کے تمام مسلمان متحد تھے۔ جنہوں نے کانگریسی قوت کو شکست دے کر پاکستان حاصل کر لیا تھا۔ جہاں تک مذہبی جماعتوں کی سیاست کا تعلق ہے تو اُن کا موقف تھا کہ ایوب خان کے خلاف تحریک مذہبی جماعتوں کی وجہ سے کامیاب ہوئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو مذہبی جماعتوں نے الگ کیا۔ لیکن اتنی طاقت ہونے کے باوجود آج تک پاکستان میں ایک بھی مذہبی جماعت ایک چھوٹے صوبے میں بھی حکومت قائم نہ کر سکی اور اگر حکومت ملی بھی تو اس حکومت کے قیام کے لیے اس کو غیر مذہبی جماعت کی حمایت حاصل کرنا پڑی۔ ان کا اشارہ 1972ء میں صوبہ سرحد میں جمعیت علماء اسلام کی اے این پی کی مدد سے مولانا مفتی محمود کی حکومت کے قیام کی طرف تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف تھا کہ مذہبی جماعتوں کو انتخابی سیاست ترک کر کے اسلامی انقلاب کے لیے پُرامن اور منظم عوامی تحریک برپا کرنی چاہیے۔ وہ خلافت کے نظام کے داعی تھے، کیونکہ یہ اسلامی طرزِ حکومت ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایم ایس سی، خوب سیرت اور خوب صورت کے لیے دینی مزاج کے حامل اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔
برائے رابطہ: 0321-4430320

☆ لڑکی، عمر 26 سال، تعلیم چار سالہ عالمہ کورس، میٹرک، پردے کی پابند اور امور خانہ داری میں ماہر کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 0313-3646151

☆ سیالکوٹ میں رہائش پذیر چوہان فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم ایم اے، قد 5 فٹ 3 انچ کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 052-4604213
0321-6165468

☆ رفیق تنظیم اسلامی، کاشتکاری سے منسلک، عمر 55 سال، اولاد شادی شدہ، بیوی وفات پا گئیں ہیں، کے لیے مناسب رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0334-7021230

☆ لڑکی، عمر 30 سال، تعلیم میٹرک، قد "4-'5، دیندار، راجپوت فیملی کے لیے برسرِ روزگار تعلیم یافتہ نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 051-5528027

☆ پاکپتن کے رفیق تنظیم کو اپنے بیٹے، عمر 25 سال، تعلیم ایف اے، ذاتی کاروبار (جیولری شاپ) کے لیے دینی مزاج کی حامل پڑھی لکھی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0305-7063975
0300-4684439

☆ گوجرانوالہ میں مقیم فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 23 سال، تعلیم میٹرک، ذاتی جنرل سٹور کے لیے دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔ رابطہ: 0300-6487309

❀❀❀

اسلامی یکجہتی کونسل کے زیر اہتمام پریس کلب لاہور میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی یاد میں تعزیتی ریفرنس

عزیز احمد اعوان

ممتاز مذہبی سکالر جناب قاضی عبدالقدیر خاموش نے اسلامی یکجہتی کونسل کے زیرِ اہتمام 21 اپریل 2010ء کو پریس کلب لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآنی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک تعزیتی ریفرنس منعقد کیا۔ جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کے صاحبزادہ اور تنظیم اسلامی کے جانشین حافظ عاکف سعید مہمان خصوصی تھے۔ جبکہ مقررین میں جناب سہیل ضیاء بٹ، عبدالقادر شاہین، نواز گوندل، پروفیسر مشکور حسین یاد، مجیب الرحمٰن انقلابی، علامہ ریاض احمد یزدانی، طاہر اشرفی، مولانا امجد خان، مرزا ایوب بیگ، ڈاکٹر صبیحہ مشرقی، علامہ ممتاز اعوان شامل تھے۔ سب مقررین نے ڈاکٹر صاحب کی علمی، ادبی، دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ نواز گوندل نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن پاک کا پیغام پوری دنیا میں پھیلایا۔ اور ایسے عظیم لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے کہ چمن میں دیدہ ور پیدا

اصلاح معاشرہ کے لیے ان کی لازوال خدمات ہیں۔

پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما عبدالقادر شاہین نے کہا ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری زندگی معاشرے کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ پروفیسر مشکور حسین یاد نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت بڑے انسان تھے۔ بڑے انسان کا پیمانہ یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بھی ان کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے آپ کو بڑا محسوس کرے۔

سہیل ضیاء بٹ نے کہا اتنے بڑے عالم دین کی رخصتی اتنی خاموشی کے ساتھ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ملک میں امن، جمہوریت، اسلام اور قرآن کے سفیر تھے۔ فہم قرآن کے حوالے سے ان کی لازوال خدمات ہیں۔ وہ ہمیشہ حق اور سچ بات کہتے۔ اُنہوں نے اپنی فکر کا جو چراغ روشن کیا ہے قرآن کالج اس کی پاسبانی ہے۔ اُن کے جانشین حافظ عاکف سعید ہیں۔ ہم اُن کے مشن کی تکمیل کے لیے حافظ صاحب کے ساتھ ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں، ان کا خطاب غور سے سنتے تھے۔

مجیب الرحمٰن انقلابی نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد سے بڑا کوئی خادم قرآن نہیں ہے۔ وہ زندگی کے آغاز سے لے کر انجام تک عظمت قرآن کے مشن پر گامزن رہے۔ مولانا امجد خاں نے فرمایا کہ ہر چیز ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہے گا۔ ڈاکٹر اسرار سے میرے والد محترم ڈاکٹر اجمل خان کا قریبی تعلق رہا اور مجھے بھی ڈاکٹر اسرار سے سیکھنے کا موقع ملا۔

ڈاکٹر صبیحہ مشرقی نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اسلام کی ڈیفنس لائن تھے۔ ان کی وفات سے عالم اسلام کو بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔

تنظیم اسلامی کے ناظم نشر و اشاعت مرزا ایوب بیگ نے کہا کہ مجھے 1959ء سے ڈاکٹر اسرار احمد سے صحبت کا شرف حاصل ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں سقوط ڈھاکہ ہونے سے پہلے کہا کرتے تھے کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جائے گا، اور ایسا ہی ہوا۔ جب حکمرانوں نے افغانستان پر یوٹرن لیا تو ڈاکٹر اسرار احمد نے کھل کر افغانستان کی حمایت کی اور حکمرانوں کو خبردار کیا کہ وہ اینٹی مسلم قوت کی حمایت مت کریں، اس سے پاکستان کی بنیادیں کمزور ہوں گی۔ علامہ ریاض احمد یزدانی نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار نے عالمی سطح پر قرآن کے نمائندے کی حیثیت سے وہ کارنامے سرانجام دیئے جن کی مثال دینا مشکل ہے۔ ڈاکٹر اسرار انتخابی سیاست کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مذہبی جماعتوں کو انتخابی سیاست کی بجائے پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کرنا چاہیے۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ مولانا احمد علی لاہوری کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد کی قرآن پاک کے حوالے سے خدمات بے مثال ہیں۔ آج پاکستان میں قرآن پاک کے پیغام کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی سے فرقہ وارانہ تشدد کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

اسرارِ انقلاب کو سمجھئے اور ہدفِ انقلاب پر نظر رکھئے!

محمد سمیع

ہم ایک مردہ پرست قوم ہیں۔ بالعموم ہم کسی کی اس کی حیات میں وہ قدر نہیں کرتے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے لیکن جب وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو ہم پر اس کے بارے میں انکشافات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور جب تک زندہ رہے، انہوں نے اپنی زندگی کو دعوت رجوع الی القرآن اور قیام خلافت کی تحریک کے لئے وقف کئے رکھا۔ انہوں نے کس کس طرح سے قوم کو نہیں سمجھایا کہ ہمیں قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کرنے اور اس میں وارد ربّ کریم کے انفرادی اور اجتماعی احکامات پر عمل کی ضرورت ہے۔ لیکن قوم نے ''کون سنتا ہے فغانِ درویش'' کا رویہ اختیار کئے رکھا۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے بارے میں جتنی تحریریں زندگی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کی سامنے آئی ہیں ان میں، اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہ بات بالعموم تسلیم کی گئی ہے کہ وہ اپنے مشن کے بارے میں کتنے پُراعتماد تھے اور اس کے لئے کس طور سے مسلسل جدوجہد کرتے تھے۔ ان کی زندگی ایک قابل قدر نمونہ تھی۔ کچھ حضرات نے بڑے خلوص کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کے ساتھ اپنے اختلافات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ اختلاف کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ خود تنظیم اسلامی کا قیام ہی اس کے بانی مرحوم کے جماعت اسلامی کے طریقہ کار سے اختلاف کا نتیجہ تھا۔ مرحوم نے اختلافات کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے بلکہ ایک سے زیادہ مرتبہ علماء و دانشور حضرات کو مدعو کر کے ان کے سامنے اپنے فکر اور طریقہ کار کو رکھ کر ان کے حسن و قبح پر گفتگو کی فرمائش کی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ صحافی کے مطابق انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کو کینیڈا میں ''دریافت'' کیا تھا۔ حالانکہ اپنے ہم وطنوں کے سامنے ان کی زندگی ایک کھلی کتاب تھی اور کسی کو انہیں دریافت کرنے کے لئے بیرون ملک جانے کی ضرورت تھی، نہ ہی ہم وطنوں کی عظیم اکثریت کینیڈا جیسے دور دراز علاقے کو جانا افورڈ کر سکتی ہے۔

راقم کو دو تحریروں نے اس تحریر پر آمادہ کیا۔ اس میں بنیادی بات تو وہی ہے جسے محترم ڈاکٹر قمر احسان نے اپنی تحریر میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''ہم بحیثیت مسلمان ایک خامی کا شکار ہیں۔ ہم نے ہمیشہ انسانی خصائص کو اہمیت دی ہے اور جن اعمال کی وجہ سے وہ خصائص پیدا ہوئے ہیں ان سے روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم نے ہمیشہ شخصیت پرستی کی ہے اور شخصیت کی فکر، رہنمائی، اصول وضوابط اور نظریئے پر کاربند ہونے کی کوشش نہیں کی۔'' ان کی باتوں سے راقم کو جزوی طور پر اتفاق ہے۔ جزوی ان معنوں میں کہ کسی تحریک کے لئے اس کے محرک کی شخصیت ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کی وجہ سے شخصیت پرستی اختیار کی جائے۔ کسی بھی تحریک کے لئے دونوں باتیں اہم ہیں، فکرِ تحریک بھی اور محرکِ تحریک بھی۔ فرق بس اتنا ہے کہ محرک فانی انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے ایک نہ ایک دن دنیا کو چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ فکر اس کے جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے لیکن کس طرح اور کتنے عرصے، اس کا سارا دارومدار محرک کے اخلاق و کردار اور اُس کے عمل اور جذبہ پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور نے کوئی نئی فکر تو نہیں دی، البتہ فکر کو ایک نئی جہت ضرور دی۔ انہوں نے دینی فرائض کے معاشرے میں مروجہ تصور اور اس کے جامع تصور میں فرق کو واضح کیا۔ گو کہ یہ کام کسی حد تک پہلے بھی ہو چکا تھا لیکن انہوں نے اسے جس انداز میں پیش کیا اسے منفرد ضرور کہا جا سکتا ہے۔ محرک کے بعد فکر سے لگاؤ کا دارومدار ان کے شعوری جوش وجذبے پر ہوتا ہے۔ الحمدللہ، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور نے فکر کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ اپنے رفقائے کار کے ذہنوں میں جس طرح راسخ کر دیا ہے، توقع یہی ہے کہ گزرتے دنوں کے ساتھ اس میں ان شاء اللہ اضافہ ہی ہوگا۔ فکر سے انحراف تو ہر دور اور ہر تحریک کے وابستگان میں کم و بیش ہوا ہے، لیکن منحرفین کی تعداد کو استثنائی حیثیت ہی حاصل رہی ہے اور انگریزی محاورے Exception proves the rule کے مطابق، ہمیں اچھی ہی توقعات رکھنی چاہئیں۔

دوسری تحریر ہمارے سینئر صحافی محترم مجیب الرحمٰن شامی کی ہے۔ ان کی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے کاموں سے دلچسپی کا اندازہ ان لوگوں نے ضرور لگایا ہوگا جنہوں نے ان کی تحریر ''بلالی اذان'' پڑھی ہو۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ ''ڈاکٹر مرحوم اپنے پختہ عزم، للّٰہیت اور سخت محنت کے باوجود ایسی بڑی جماعت پیدا نہ کر سکے جس کی اخلاقی ساکھ اور منظم سیاسی قوت، قوم کی سوچ اور حکمرانوں کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتی۔'' پتہ نہیں محترم مجیب الرحمٰن شامی کی ''اخلاقی ساکھ'' سے کیا مراد ہے۔ الحمدللہ، تنظیم اسلامی کی اخلاقی ساکھ کی تعمیر میں ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کی لگی لپٹی کے بغیر اور ڈنکے کی چوٹ پر مبنی آراء نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے، کیونکہ عوام ان کے اس انداز کو بہت پسند کرتے تھے۔ الحمدللہ، تنظیم اسلامی کے بارے میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ؎ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور اپنی تنظیم کے بارے میں اکثر و بیشتر یہی کہا کرتے تھے کہ ''ہماری تنظیم نہ تین میں ہے اور نہ تیرہ میں''۔ اس بارے میں مرحوم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے۔ تین اور تیرہ میں تو وہی جماعتیں ہو سکتی ہیں جو انتخابی سیاست میں حصہ لیتی ہیں۔ ہمارے عوام تو تنظیم اسلامی کو سیاسی جماعت ہی تصور نہیں کرتے۔ برسبیل تذکرہ ایک واقعہ

> الحمدللہ، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کی انتھک محنتوں کے نتیجے میں اب تنظیم میں ایسے مقررین اور مدرسین پیدا ہو چکے ہیں جو ملک کے طول وعرض میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں

درج کرنا چاہوں گا۔ کراچی میں ہمارے کچھ ساتھی فوج کے ایک شعبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ سرکاری ملازمین کو کسی سیاسی جماعت میں شمولیت کی ہمارے ملک میں اجازت نہیں۔ ایک مرتبہ ان کے ایک افسر کے ہاتھ تنظیم کا کچھ لٹریچر لگ گیا۔ انہوں نے ان سے بازپرس کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ ہم کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تنظیم اسلامی کوئی سیاسی جماعت نہیں۔ تو وہ افسر کہنے لگے کہ ایک انقلابی جماعت سے بڑھ کر کوئی سیاسی جماعت ہو سکتی ہے؟ یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تنظیم کی حیثیت کا اس کے بانی مرحوم کو بخوبی اندازہ تھا۔ تاہم اس کے لئے ان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ان کی اپنے مشن کے ساتھ کمٹمنٹ اور جہد مسلسل کے سب قائل تھے۔ اب اگر ایسے لوگوں کا بھی قوم ساتھ نہ دے جو نہ اس سے ووٹ مانگتے ہوں اور نہ نوٹ بلکہ وطن عزیز میں انقلابی لائحہ عمل کے ذریعے اسلام کا نظام عدل اجتماعی یعنی نظام خلافت نافذ کرنا چاہتے ہوں جو آج کے دور کے تمام مسائل کا حل ہے، تو اس میں کسی کو کیا قصوروار ٹھہرایا جائے۔ قوم تو آزمائے ہوؤں کو بار بار آزمانے میں لگی ہوئی ہے۔ بیشک اس میں تنظیم اسلامی کے وابستگان کی کوتاہیاں بھی شامل ہیں کہ وہ اپنی دعوت کو عوام کی اکثریت تک نہیں پہنچا سکے۔ لیکن اس کے لئے بھی قوم کے تعاون کی ضرورت ہے کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ وابستگی پیدا کر کے اس کے حلقہ اثر کو بڑھائیں۔ کسی دعوت کو عام کرنے میں آج کے دور میں میڈیا کا بہت اہم کردار ہے۔ لیکن محترم مجیب الرحمٰن شامی کو اچھی طرح علم ہے کہ میڈیا غیر سیاسی تنظیموں کو سیاسی تنظیموں کے مقابلے میں نیوز کوریج دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر وہ برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ تنظیم اسلامی میڈیا میں ان ہونے کے لئے مروجہ طریقہ ہائے کار کو اختیار کرنے سے رہی۔

ایک زمانہ تھا جب لوگ کہا کرتے تھے کہ تنظیم اسلامی میں ڈاکٹر اسرار احمد کے علاوہ ہے کیا۔ الحمدللہ، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی انتھک محنتوں کے نتیجے میں اب تنظیم میں ایسے مقررین اور مدرسین پیدا ہو چکے ہیں جو ملک کے طول و عرض میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ جہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی رحلت جہاں ایک قومی نقصان ہے اور ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، مستقبل قریب میں اس کے پر ہونے کی توقع نظر نہیں آتی، وہاں تنظیم اسلامی کے لئے تو یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ الحمدللہ، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے آج سے آٹھ سال قبل اپنے رفقاء کار سے طویل مشاورت کے نتیجے میں محترم حافظ عاکف سعید کو امیر مقرر کر دیا تھا اور اس درمیانی عرصے میں انہوں نے اتنا تجربہ حاصل کر لیا ہے کہ ان کے لئے مرحوم کی وفات سے کوئی بہت بڑا سیٹ بیک نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور ایک دبنگ اور جلالی شخصیت کے مالک تھے تو محترم حافظ عاکف سعید ایک مرنج و مرنجاں جمالی شخصیت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ تنظیم اسلامی ان شاء اللہ آگے سے آگے اپنا سفر جاری رکھے گی۔ یہ جو بظاہر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور اور محترم حافظ عاکف سعید کی شخصیات کے درمیان فرق نظر آتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دین کی ہر تحریک کے داعی اول اور اس کے جانشین کے درمیان فرق رہا ہے۔ اس صورتحال سے گھبرانے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ اسرارِ انقلاب ذہن نشین رہیں اور ہدف انقلاب پر نظریں جمی ہوئی ہوں۔

❁❁❁

حرفِ شیریں

”ہمیشہ سیکھے گی اُن کے خطاب سے دنیا“

شفیق بیگ، نارووال

جنوں دلوں کو، نظر کو بصارتیں دینا
انہی کا کام تھا، ہر دل کو جرأتیں دینا

وہ سادگی، وہ مروّت، وہ جرأتِ اظہار
خدایا ہم کو بھی ان کی عادتیں دینا

انہی کی شان کو زیبا تھا، نوعِ انساں کو
شبِ سیاہ میں سحر کی بشارتیں دینا

دلوں کو جھیل کی گہرائیاں عطا کرنا
سمندروں کی نگاہوں کو وسعتیں دینا

عروجِ فکر و نظر وہ فرازِ فہم و ذکاء
انہیں پسند تھا جذبوں کو شدتیں دینا

وقارِ دینِ مبیں کو بلند تر کرنا
جبینِ شرعِ نبیؐ کو صباحتیں دینا

مقامِ بانیٔ تنظیم کا تقاضا تھا
مخالف کے صلے میں محبتیں دینا

ہمیشہ سیکھے گی ان کے خطاب سے دنیا
خیال و فکر کو لفظوں کی صورتیں دینا

جو ان کے فیض سے ہی فیض یاب رہتے تھے
مرے خدا، مجھے ان کی رفاقتیں دینا

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید

ہمارے عظیم محسن کی دینی خدمات اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنیں گی۔ان شاء اللہ

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کی وفات پر تنظیم اسلامی کے نائب ناظم نشرواشاعت جناب محمد فہیم خان کا امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے نام تعزیتی مکتوب

محترم ومکرم جناب حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھ پر اپنے محسن اور روحانی اور معنوی باپ کی رحلت حسرت آیات کی خبر بجلی بن کر گری جب بعد از نماز فجر ایک ساتھی نے بذریعہ فون اس کی اطلاع دی۔ میں فیصل آباد میں منعقدہ تربیت گاہ سے واپسی پر ایبٹ آباد میں اپنے بھانجے کے گھر چند دن ٹھہرنے کے ارادے سے آیا اور اسی دوران بانیٔ محترم کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ ڈاکٹر صاحب ؒ کی وفات آپ اور آپ کے خاندان کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تو ہے ہی اور یقیناً اُن کی رحلت سے ایک عظیم خلا پیدا ہوگیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کی جدائی اُن کی روحانی اور معنوی اولاد کے لیے بھی ایک ایسا ہی عظیم سانحہ ہے۔ اس حقیقت پر مکمل اور پختہ ایمان رکھنے کے باوجود کہ ہر کسی کی موت اپنے مقررہ لمحہ پر واقع ہوتی ہے میں اپنے ذہن کو ایک کرب کی کیفیت سے آزاد نہ کرسکا۔ میری کیا حیثیت، ایک دُنیا اس رحلت سے متاثر ہوچکی ہے۔ دنیائے اسلام کے نامور عالم باعمل، اقبال کے مردِ مومن، قرآن کے ایک انتھک طالب علم، عاشق رسولؐ، احیائے خلافت کے علمبردار اور خلافت علیٰ منہاج النبوت کے لیے جدوجہد کرنے والے ایک پُرعزم سپاہی، ایک نڈر اور بے باک نقاد، اُمت کے مختلف فرقوں کو جوڑنے والی شخصیت اور اُمت کے ایک غمگسار کی جدائی لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے لیے باعث غم واندوہ ہے۔

میں خوش نصیب ہوں کہ میں اُن سینئر رفقاء میں شامل ہوں جو تقریباً گزشتہ تین دہائیوں سے اپنے عظیم محسن کی فکری اور علمی روشنی سے رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں اور اُن کی فکر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے مرحوم روحانی باپ کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ہمیں دین اور فرائض دینی کا اصل مفہوم سمجھایا بلکہ اُس کے لیے صحیح منہاج اور طریقۂ کار کی عملی رہنمائی بھی فرمائی۔ آج اُس محسن کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ ہم یتیم ہوگئے۔ وہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اللہ کے اس بندے نے وفات سے تین چار روز ہی پہلے اجتماع منعقدہ قرآن اکیڈمی فیصل آباد میں اپنی آخری جدائی کا جس یقین کے ساتھ اظہارِ خیال کرکے ہم سب کو رُلا دیا تھا غالباً وہ ہمیں ذہنی طور پر اس صدمۂ عظیم کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنے کی ایک تنبیہ تھی ؏ ''ہم پریشان رہ گئے، وہ مسکرا کے چل دیئے''۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

میرے دل میں تازیست یہ حسرت ناک ارمان باقی رہے گا کہ میں اُن کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ میں ایبٹ آباد میں (پختون خواہ کے خلاف) ہڑتال، سڑک کی بندش اور ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی کی بنا پر پھنسا رہ گیا۔ میرا ساتھیوں کے ساتھ فون پر رابطہ رہا مگر آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کرسکا۔ ٹی وی کے ذریعے آخری سفر کی جھلکیاں دیکھ کر سسکیاں لیتا رہا۔ اب تیمرگرہ اپنے گھر واپس آچکا ہوں۔ بہت سارے دوست، اقارب، دینی شخصیات خصوصاً جماعت اسلامی سے متعلق مقامی حضرات میرے غریب خانے پر میرے محسن کی فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے اس سے بہت زیادہ تسکین حاصل ہو رہی ہے۔ یہ احساس بھی ہے کہ الحمدللہ اس ناچیز کا بھی اپنے عظیم رہنما اور محسن سے ایک گونہ قابل فخر نسبت ورشتہ قائم رہا ہے۔ بہت سارے پیغامات بذریعہ فون بھی موصول ہو رہے ہیں۔ یہاں کی اکثر مساجد میں بانیٔ محترم کے لیے دُعائیں مانگی گئی ہیں۔ اجتماعات جمعہ میں خصوصی دُعائیں مانگی گئیں۔ میرے گھر کے افراد بیٹا، بیٹیاں، بھائی، بہنیں، اقرباء اور دوست ہمارے ساتھ اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں اور دُعائیں کر رہے ہیں۔

ہمارے لیے یہ امر باعث تسکین بلکہ باعث فخر ہے کہ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی جسمانی، ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو اللہ کے دین کی سرفرازی اور اشاعت کے لیے آخری حد تک بروئے کار لاکر اپنی قوتوں کو نچوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی قربانیوں اور کاوشوں کو جو قبولیت عطا فرمائی اُس کی شہادت یہ ہے کہ الحمدللہ آج سینکڑوں تصنیفات و تالیفات، ہزاروں کی تعداد میں کیسٹس، ریکارڈ شدہ دروس قرآنی، تقاریر، خطابات، قرآن اکیڈمیز، انجمن خدام القرآن کے ادارے، مراکز تنظیم اسلامی، مساجد، لائبریریاں اور اُن کے مشن کو آگے بڑھانے والے یونیورسٹیوں سے فارغ علماء پر مشتمل ایک فعال ٹیم صدقہ جاریہ کے طور پر موجود ہے۔ الحمدللہ، انہوں نے سیرت مطہرہ سے اخذ کردہ خطوط پر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے تنظیم اسلامی کی شکل میں ایک حد درجہ منظم تنظیم کی بنیاد ڈال کر اُس کی آبیاری کی ہے اور جو باغ وہ ہمیں حوالہ کرکے تشریف لے گئے ہیں، اُس کی آپ آج بحیثیت امیر تنظیم باغبانی اور نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ عظیم کارہائے دین ہمارے عظیم محسنؒ کے درجات کی بلندی کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کریں گے اور ان شاء اللہ انہی کے طفیل اللہ تعالیٰ ہم تمام کے حق میں بھی خیر ہی کا فیصلہ فرمائے گا، اور ہمیں اصل مقصد یعنی نجات اخروی اور رضائے الٰہی کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے گا۔

احقر کو یہ اُمید ہے کہ جس راہ کی نشان دہی ہمارے مرحوم رہنما نے فرمائی ہے وہ رہتی دنیا تک اُمت مسلمہ کے لیے روشنی کا مینار بنی رہے گی اور اُسی سے ہوکر گزرنے سے منزل مقصود تک رسائی حاصل ہوسکے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ بانیٔ محترم کے درجات کو بلند فرمائے، اُن کو اعلیٰ علیین میں دامن رحمت میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور اُن کی صلبی ومعنوی اولاد کو اُن کے فکر کو زندہ رکھنے اور اُن کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین! ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

(نوٹ: اگرچہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ اشعار علامہ اقبال نے اپنے بارے میں کہے ہیں، تاہم ان کا پورا پورا اطلاق ہمارے عظیم محسن پر بھی ہوتا ہے۔)

والسلام

امریکی حمایت اور درپردہ امداد سے قائم ہونے والی

طالبان حکومت کا خاتمہ کیوں اور کیسے کیا گیا؟

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade"

کا قسط وار اُردو ترجمہ

ترجمہ: محمد فہیم

طالبان ہی کو افغانستان میں جاری جارحیت کے لیے اصل وجۂ جواز بنا کر ایک کٹھ پتلی حکومت کابل پر مسلط کی گئی اور ایک دوسری کٹھ پتلی انتظامیہ کو اسلام آباد میں مستحکم کرنے کوشش کی گئی۔ حقائق کو سمجھنے کے لیے ایسے شواہد موجود ہیں کہ امریکہ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے پاکستان کو آلہ کار بنا کر ابتداءً طالبان کی تائید اور بعدۂ ان کو گرانے کا کام کیا۔ کرزئی اور علاوی کے بالکل برعکس (جو بالترتیب سی آئی اے اور ایم آئی 16 کے سابقہ تنخواہ دار چاکر تھے) طالبان کو بہت کم معلوم تھا کہ امریکہ ان کو کیسے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ طالبان نے یہی جان رکھا تھا کہ پاکستان وہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے جس نے سوویت یونین کے خلاف ان کی مدد کی تھی اور یہ کہ وہ (پاکستان) نیک نیتی کے ساتھ اقتدار کے بھوکے وار لارڈز سے افغانیوں کو نجات دلانے کے لیے ان کی مدد کر رہا ہے، تاکہ افغانستان میں امن اور استحکام لایا جاسکے۔ طالبان ان حقائق کے متعلق بہت کم جانتے تھے جو بعد میں مختلف تناظیم مثلاً ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ذریعے ان کے علم میں آئے کہ طالبان کو اقتدار دلانے میں امریکی حمایت شامل تھی۔ 14 اکتوبر 1996ء کو بی بی سی ورلڈ سروس کے ایک نشریئے میں بتایا گیا کہ پاکستان کی اس وقت کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے تصدیق کی ہے کہ برطانیہ، امریکہ، سعودی عرب اور پاکستان نے مخصوص مدارس قائم کئے ہیں جن میں خاص نقطہ نظر سے طالبان کے لیے خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک رپورٹ میں یقین ظاہر کیا کہ ''ان مدارس کے اکاونٹس سے، جن میں طالبان داخل تھے، یہ پتہ چلتا ہے کہ امریکیوں کے یہ رابطے (طالبان کی بالواسطہ مدد کے لیے) تحریک کی بالکل ابتداہی کے دوران قائم ہو چکے ہوں''۔ پاکستان کے سابق وزیر داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر کا بیان ہے کہ ''یہ سی آئی اے ہی تھی جس نے اس ریجن میں دہشت گردی متعارف کرائی اور اب اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دلانے کے لیے وہی مگر مچھ کے آنسو بہانے کا مکر کر رہی ہے''۔ درحقیقت جو بات نصیر اللہ بابر جیسے حضرات کی سمجھ میں نہیں آئی، وہ یہ ہے کہ خفیہ مدد کے علی الرغم امریکہ کو بالکل یہ خیال نہ تھا کہ طالبان کی جو قیادت ہے، وہ ضمیر فروشی پر موت کو ترجیح دینا پسند کرے گی۔

طالبان کو درپردہ مدد دینے کی منصوبہ بندی اس وقت کی گئی تھی جب ڈالر اور طاقت کے رسیا ''مجاہدین لیڈران'' اپنے مفادات کے لیے وارلارڈز بن گئے۔ ان کو ''جہاد'' کی جو پٹی پڑھائی گئی تھی وہ بس یہ تھی کہ کسی بھی مزعومہ دشمن کے خلاف جنگ ہی جہاد ہے۔ ان کو یہ مطلب نہیں سمجھایا گیا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے جہاد اس سعی و جہد کے معنی میں ایک اصطلاح ہے جو مختلف سطحوں سے گزرتی ہے، تاآنکہ اللہ تعالیٰ کے دین (اجتماعی اسلامی طرز زندگی) کو قائم کیا جاسکے۔ امریکی نقطہ نگاہ سے جہاد مسلمانوں کی وہ جنگ تھی جو وہ اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے افغانستان پر سے سوویت قبضہ کے خاتمے کی غرض سے لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ ان لوگوں کو بھی مجاہدین کا نام دیا گیا ہے جو 2001 میں امریکی حملہ کے بعد طالبان کے خلاف لڑ رہے تھے۔ امریکہ کو جہاد سے خوف کا روگ لاحق ہو چکا ہے، اور ہر نئے قبضہ کے ساتھ اس میں مزید تیزی اور شدت پیدا ہوتی ہے۔

افغان ''مجاہدین'' کے ذہنوں میں جہاد کے وہی معنی پیوست ہو چکے تھے جو اُسے امریکہ نے دیئے تھے۔ وہ جہاد کے اصل تصور اور منصوبہ بندی سے خالی الذہن تھے۔ لہٰذا جہاد کے اصل مقاصد یعنی نظام عدل اور اسلامی اصولوں پر استوار ایک معاشرہ کے کا قیام تک ان کی رسائی مشکل تھی۔ وارلارڈز کے باہمی متفق ہونے کے عدم امکان اور اس خطے میں مضبوطی کے ساتھ پنجے گاڑنے کے لیے ایک موافق فضا کی موجودگی کے امکانات کے پیش نظر واشنگٹن نے ایک دوسری قوت یعنی 'طالبان' کو متعارف کرایا۔

امریکہ کے وہم وگمان میں بھی یہ نہ تھا کہ جن طالبان کی اس نے درپردہ تربیت اور بالواسطہ مدد کی ہے، وہ کبھی بھی اس کی ڈکٹیشن کے آگے نہیں جھکیں گے اور وہ امریکی مفادات کے حصول کے لیے بکاؤ مال نہیں بنیں گے۔ آخر میں تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی کہ نائن الیون کے بعد امریکہ افغانستان پر حملہ کرنے اور اُس پر قبضہ جمانے کی دھمکیوں سے بھی طالبان کو مرعوب نہ کرسکا۔ اس ڈراپ سین نے طالبان کے عزم کی پختگی کے متعلق امریکی خدشات کو درست ثابت کیا، تاہم امریکہ نے یہ جو نتیجہ نکالا تھا کہ مسلمان اجتماعی طور پر اس کے وجود کے لیے خطرہ بنیں گے، غلط ثابت ہوا۔ اس قسم کی سوچ نے دراصل دور جدید کے صلیبیوں کے خیالات سے جنم لیا تھا۔ امریکی میڈیا پر طالبان کی ابتدائی فتوحات کا چرچا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ انہیں درپردہ امریکی اعانت حاصل تھی۔ امریکی ''نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ'' اور دوسرے میڈیا ذرائع نے طالبان کی ابتدائی کامیابیوں کو ایسی دیومالائی کہانی کی صورت میں پیش کرنا شروع کیا تھا، گویا مدارس سے نکلے ہوئے طالبان چند ہی دنوں کے اندر ان تجربہ کار اور ہر قسم کے ذرائع سے متمتع وارلاڈز کو بغیر کسی خارجی امداد کے شکست دینے میں کامیاب ہوگئے۔ طالبان نہ تو موقع پرست لوگ تھے اور نہ ہی انھوں نے جانتے بوجھتے اور ارادتاً سی آئی اے، آئی ایس آئی، امریکہ یا پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کیا۔ تباہی اور کشت وخون تو ان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ''مجاہدین وار لارڈز'' کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ طالبان اخلاص کے ساتھ افغانستان میں بحالیٔ امن کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ ایک دوست ''اسلامی'' ملک پاکستان نیک نیتی کے ساتھ ان کی مدد کر رہا ہے۔

جو لوگ آج افغانستان میں برسر اقتدار ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ طالبان کی غلطیوں کو دیگر خفیہ عزائم کی تکمیل کے لیے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا تھا۔ یہ

موقع پرستی ہی تھی جس نے ان برسراقتدار لوگوں کو کُل وقتی سی آئی اے کی خدمت میں جوت لیا۔ سی آئی اے کے ایک آفیسر گیری شروئن نے اپنی کتاب 'First in Afghanistan' میں شمالی اتحاد کے کمانڈروں کو جو لاکھوں ڈالر دینے کا تذکرہ کیا ہے وہ یقیناً حیران کن ہے۔ شیروئن نے صحیح صحیح نام اور ڈالروں کی مقدار کا تذکرہ کیا ہے جو اس نے بدست خود شمالی اتحاد کی کٹھ پتلیوں کو نائن الیون کے بعد دیئے۔ شیروئن نے مسعود کے انٹیلی جنس سروس کے سربراہ عارف سروری کے ساتھ میٹنگ کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے صرف پانچ لاکھ ڈالر بطور ٹوکن (Tokan Money) دے دیئے گئے۔ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں ''میرا تجربہ مجھے بتاتا تھا کہ کوئی بھی سینئر افغان میرے ہاتھ سے کیش رقم اپنے ہاتھ میں براہ راست جاتے ہوئے پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے مجھے ان ڈالروں کو پیکٹس بنا کر یا کاغذ میں لپیٹ کر یا کسی اور طریقہ سے چھپا کر کسی تھیلے میں رکھنے کے بعد حوالہ کرنا پڑتا تھا۔ اس رقم کو اس وقت گنا نہیں جاتا تھا اور مجھے یہ بھی خوب پتہ لگتا تھا کہ عارف کو رقم وصول کرتے وقت کسی قسم کے تاثر کو چہرہ پر ظاہر نہ ہونے کے لیے کافی محنت کرنی پڑتی تھی۔'' انجینئر عارف کو ادائیگی کے 24 گھنٹوں کے اندر اندر شیروئن نے جنرل فہیم کو ایک ملین ڈالر کی ادائیگی کا بندوبست کرلیا۔ وہ لکھتا ہے: ''اگرچہ میں نے گزشتہ رات عارف کو پانچ لاکھ ڈالر پاس کئے تھے، میں دوسری بڑی رقم جنرل فہیم کو ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں اور رِک (Rick) واپس کالے سوٹ کیس کی طرف چل پڑے اور ایک ملین ڈالرز کی رقم کو لپیٹ کر (پیکٹ بنا کر) تیار کرلیا''۔

بمباری شروع ہونے سے پہلے جو رشوت تقسیم کی گئی اس کی حقیقت شیروئن نے اس طرح واضح کی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''ان چالیس ایام کے دوران میں وادیٔ پنج شیر میں رہا اور اس دوران میں نے 50 لاکھ ڈالر خرچ کئے''۔ نائن الیون کے بعد یہ ڈالروں کی بارش کی کہانی ہے جس سے امریکہ نے موقع پرستوں کی حمایت حاصل کی۔ یہ تو افغانستان کے ایک چھوٹے سے علاقے کی بات ہے۔ رہی وہ دولت جو بقیہ ملک میں خرچ کی گئی اس کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ خصوصاً وہ رقم جس کے ذریعے طالبان کمانڈروں کو خریدا گیا۔ جس دوران طالبان برسراقتدار تھے تو ان کو بدنام کرانے کے کام میں جن جن عناصر نے اہم کردار ادا کیا تھا ان کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کے عمل کو ایک عام قاعدہ کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ انسانی فطرت میں رشوت ستانی اور موقع پرستی کا جو عنصر کارفرما ہے، اس کی طاقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ جن مذہبی شخصیات کے متعلق رائے یہ تھی کہ وہ امریکہ مخالف ہیں انھوں نے بھی نائن الیون سے پہلے اور بعد میں کبھی بھی امریکہ سے رشوت قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کی۔ استاد عبدالرب رسول سیاف کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑی قدامت پرست (کنزرویٹو) مغرب مخالف، امریکہ مخالف اور ایک سخت گیر بنیاد پرست شخصیت ہے۔ وہ کابل یونیورسٹی سے مذہب اور الازہر یونیورسٹی (قاہرہ) سے ماسٹر ڈگری ہولڈر ہے۔ وہ اس بنیاد پرست گروپ الاخوان المسلمون کا بھی ممبر رہا ہے، جس کی بنیاد 1969ء میں گلبدین حکمت یار اور ڈاکٹر سید برہان الدین ربانی نے ڈالی تھی۔ ان کی کہانی بڑی عجیب اور دلچسپ ہے جب وہ طالبان کے خلاف عوض کے طور پر رشوت قبول کر رہے تھے۔ کہانی کچھ یوں ہے: ''میں نے اپنی کمر کی پیٹی سے ایک لاکھ ڈالرز کا ایک بنڈل بنا کر اسے میز کے اوپر سے سیاف کو بڑھایا، جس نے بے اختیار اس پیکج کو لے لیا۔ اس رقم کے (طریقہ کار) برعکس جو میں شمالی اتحاد والوں کو دیا کرتا تھا، میں نے اس بنڈل کو اس کے اصلی پلاسٹک والے کور میں رکھ چھوڑا تھا، تاکہ سیاف اس کو دیکھ سکے کہ یہ کیا ہے۔ سیاف نے بنڈل کو ایک دو سیکنڈ کے لیے تھامے رکھا، اسے دیکھا اور کسی قدر پریشان بھی ہوا کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے۔ پھر اس کی آنکھیں وا ہوئیں اور پھر اس نے اپنا پہلو بدلا۔ اس نے اپنے آدمی کی طرف بنڈل ایسا اچھال کر پھینکا گویا کہ اسے ایک گرم آلو ہاتھ میں تھمایا گیا ہے۔ سیاف نے مجھے دیکھا اور آنکھیں نیچے کرلیں۔ کہنے لگا: یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے کسی شخص سے براہ راست نقد رقم قبول کی ہو۔ اس نے سر اس طرح ہلایا جیسے کسی نے اسے ورغلا کر دھوکہ دیا ہو۔ ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مجھے محتاط نظروں سے گھور لیا''۔

دراصل ایسے افراد کی لالچ اور خودغرضی ہی نے افغانستان کو ان مثالی مواقع سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیا، جو بہتر امن وامان کی صورت حال کی وجہ سے طالبان کے زمانہ اقتدار کے دوران ہاتھ آئے تھے۔ انھیں عناصر کی اندھی موقع پرستی نے اب انھیں یہاں لاکر کھڑا کیا ہے جہاں پر انہیں کے طفیل افغانستان کے اوپر ایک ناجائز قبضہ کی گرفت کو مزید مضبوط کرنے کا سامان کیا جارہا ہے۔

کروسیڈرز اور کارپوریٹ دہشتگردوں کے ایجنڈے کو مہمیز دینا

براؤن یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ولیم او بی مین جو ایک انٹرو پالوجسٹ ہیں اور جنھوں نے وسطی ایشیائی ملکوں میں ایک وسیع تحقیق کی ہے اور مشرق وسطی کے امور کے بھی سپیشلسٹ ہیں، بتاتے ہیں: ''یہ بات کوئی راز نہیں رہی ہے کہ کچھ مدت سے اس خطے میں امریکہ، سعودی عرب اور پاکستان افغانستان پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے جنگ میں بنیاد پرست طالبان کی مدد کر رہے ہیں۔ امریکہ نے کھلے عام کبھی اس قسم کے تعلق کو تسلیم نہیں کیا ہے لیکن پاکستان میں انٹیلی جنس ذرائع اور خیراتی اداروں دونوں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ پروفیسر بی مین کا مزید کہنا ہے کہ ''طالبان کا مذہب یا نسلی معاملات کے ساتھ کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ وہ تو صرف تیل کی دولت پر نظر رکھتے تھے''۔ افغانستان کے شمال کی طرف سوویت یونین کے ٹوٹنے کے نتیجے میں وجود میں آنے والی ریاستوں میں بحیرۂ کیسپئن کے مشرقی ساحل پر دُنیا کے عظیم ترین آئیل فیلڈز میں سے ایک واقع ہے۔ خشکی میں گھرے ہوئے اس خطے میں سے لامتناہی دولت کے اس کیسپئن تیل کو گرم پانی والی بندرگاہ کے ذریعے نکال کرلے جانا مقصود ہے۔ اس کے لیے بہت ہی ''آسان ترین اور ارزاں ترین'' پائپ لائن روٹ ایران میں سے ہوکر نکلتا ہے، لیکن ایران تو بہرصورت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ''دشمن'' ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر وہ (ایران) مغربی اثر ورسوخ سے آزاد ہے''۔ بی مین کا مشاہدہ ہے کہ ''امریکی حکومت کی ایران کے ساتھ اتنی مخاصمت ہے کہ وہ اس کو رُکوانے کے لیے ہر قسم کے اقدام پر راضی ہوگا''۔ اس کا واحد متبادل روٹ افغانستان اور پاکستان سے ہوکر گزرتا ہے، جس کے لیے افغانستان میں مقتدر قوتوں کے ساتھ معاہدہ کرنا ناگزیر ہے اور وہ قوت طالبان ہیں۔ اس قسم کے معاہدے سے پاکستانی اشرافیہ بھی مستفید ہوگی۔'' یہی وجہ ہے کہ وہ اس پر راضی ہیں کہ ایرانیوں کو خاطر ہی میں نہ لایا جائے۔ اس لئے اب جہاں تک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا تعلق ہے تو اس کے لیے مسئلے کا حل یہی تھا کہ ایران مخالف طالبان کی افغانستان میں جیت یقینی ہوجائے اور وہ اپنے علاقے پر سے پائپ لائن کو گزرنے دیں''۔

(جاری ہے)

☆☆☆

حلقہ سرحد جنوبی کے زیر اہتمام نقباء تربیتی کورس

حلقہ سرحد جنوبی کے زیر اہتمام پشاور میں سعد اللہ جان کالونی کی جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ میں 26 تا 28 مارچ 2010ء کو خصوصی تربیتی مشاورتی کورس منعقد ہوا۔ اس کورس کا مقصد نقباء کی علمی و عملی تربیت اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اور تربیتی و دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں رہنمائی کرنا تھا۔ پروگرام کا آغاز مقامی نائب ناظم تربیت اویس چیمہ نے رجسٹریشن اور تعارفی کلمات سے کیا۔ نماز مغرب کے بعد انہوں نے کتابچہ ''ذمہ داران کے اوصاف'' کا اجتماعی مطالعہ کروایا۔ 27 مارچ کو نماز فجر کے بعد راقم نے سورۃ التغابن کے رکوع دوئم کا درس دیا اور ایمان کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ثمرات و نتائج کو بیان کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے بانیٔ محترم کے خطاب ''قرآن حکیم کے نام پر اُٹھنے والی تحریکات'' کے حوالے سے گفتگو کی اور علماء کے خدشات بیان کیے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کے نام پر اُٹھنے والی تحریکات کا انجام بالآخر کسی نہ کسی فتنے کی صورت میں ہوتا ہے، اس لیے علماء کرام قرآن کے نام پر اُٹھنے والی تحریکات سے اندیشے میں پڑ جاتے ہیں کہ کہیں کوئی نیا فتنہ برپا نہ ہو جائے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم اسلاف کے ساتھ چمٹے رہیں اور علماء کرام سے ربط و ضبط رکھیں اور ان کی رہنمائی سے استفادہ کریں۔ بعد ازاں انہوں نے قرارداد تاسیس کا مطالعہ کروایا۔ امیر تنظیم کے خطاب کے بعد وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد امیر محترم نے ''تعلق مع اللہ'' کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

بارہ تا ایک بجے تنظیم کے ناظم اعلیٰ محترم اظہر بختیار خلجی نے تنظیم میں ''تصور اُسرہ و نقیب اُسرہ اور اس کا جائزہ'' کے موضوع کو بورڈ کی مدد سے واضح کیا اور تنظیم کے اندر ہر سطح پر نقیب کے تصور کو وضاحت سے پیش کیا۔

نماز عصر کے بعد ''نظام دعوت کے عملی مسائل'' اور ''رفقاء کی تربیت میں درپیش مسائل'' جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے۔ اس پروگرام کو نائب ناظم اعلیٰ شمالی پاکستان جناب خالد محمود عباسی نے کنڈکٹ کیا اور اس ضمن میں تربیتی پروگرامات، حلقہ جات قرآنی اور احباب کے حوالے سے جائزہ لیا گیا اور عملی رہنمائی فراہم کی گئی۔

28 مارچ قبل از فجر انفرادی نوافل اور ذکر و اذکار کے بعد سورۃ التوبہ کی آیات 111، 112 کا درس قرآن ہوا۔ ناظم اعلیٰ بیرون پاکستان محترم ڈاکٹر عبدالسمیع نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہم اپنی جانیں اور اموال جنت کے عوض اللہ کے ہاتھ بیچ چکے ہیں، لہٰذا اب اِن میں تصرف بھی اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوگا۔ ناشتے کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع نے نظم کے تقاضوں کو مذاکرہ کی صورت میں ذہن نشیں کروایا۔ بعد ازاں ناظم اعلیٰ نے ''تنظیم میں مشاورت، جائزہ و نگرانی اور نظام مالیات'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے اُسرے، مقامی تنظیم، حلقہ اور مرکزی سطح پر مشاورت کے نظام کی وضاحت کی، نیز نظام مالیات کے حوالے سے آمدن و خرچ کو بھی واضح کیا۔ تربیتی کورس کے آخری حصہ میں ہماری دعوت، ممکنہ اشکالات، اعتراضات پر گفتگو ہوئی۔ اس حصے کو بھی ناظم اعلیٰ نے کنڈکٹ کیا۔ انہوں نے ذمہ داران کو دعوت دی کہ وہ بتائیں کہ دعوت کے کام میں ان کو کیا اعتراضات پیش آتے ہیں۔ پھر پیش کردہ اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اکثر اعتراضات کی بنیاد غلط فہمی، عدم مطالعہ یا سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں۔ اگر اِن پر گفتگو کی جائے تو یہ رفع ہو جاتے ہیں جبکہ بہت کم لوگوں کے اعتراض ضد یا حسد کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ نماز ظہر کے ساتھ ہی یہ تربیتی کورس اپنے اختتام کو پہنچا۔

اس تربیتی کورس سے تنظیم اسلامی پشاور کے 7 میں سے 5 نقباء، نائب نقباء اور ذمہ داران، پشاور غربی سے امیر تنظیم، نقیب اُسرہ اور تنظیم اسلامی نوشہرہ سے معتمد، نقیب اُسرہ کے علاوہ تمام ذمہ داران نے استفادہ کیا، جس سے بہت سے اشکالات رفع ہوئے۔ کئی چیزوں کی وضاحت ہوئی اور کام کرنے کا نیا جذبہ ملا۔ (مرتب: خورشید انجم)

تنظیم اسلامی نوشہرہ کا ایک روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع

14 مارچ 2010ء صبح ساڑھے آٹھ بجے سے دوپہر ایک بجے تک تنظیم اسلامی نوشہرہ کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع نوشہرہ مرکز میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا بنیادی موضوع ''عائلی زندگی'' تھا۔ پروگرام کا آغاز قاضی فضل حکیم نے قرآنی آیات کی تلاوت سے کیا۔ پہلے مقرر ڈاکٹر حافظ محمد مقصود تھے جو مردان سے تقریباً 30 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے تشریف لائے تھے۔ اُن کا موضوع ''میرا گھر، میری جنت'' تھا۔ انہوں نے سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ احزاب کا انتخاب کر کے شرکاء کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ایک عمارت کی اکائی اینٹ ہوتی ہے، اگر اینٹ کچی ہوگی تو عمارت مضبوط نہیں ہوگی۔ اسی طرح گھر کے اندر امن، آشتی، محبت ضروری ہے۔ اور یہ اُسی وقت ہوگی جب یہ گھر اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ گھر دو افراد کا مجموعہ ہے: مرد اور عورت۔ اگر نکاح کا مقصد یہ ہو کہ نیک اور صالح اولاد پیدا ہو تو اس نیت کی برکات خود بخود ظاہر ہوں گی۔ یورپ اور امریکہ میں نکاح کا مقصد چونکہ یہ نہیں ہوتا، اس لیے وہاں گھرانے بمشکل موجود ہیں۔ نبی اکرمؐ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ تم میں جو بھی نکاح کر سکتا ہو، وہ نکاح کرے۔ نکاح میں خرافات، جہیز، نمود و نمائش، آزادانہ میل جول، ویڈیو فلم بنانے وغیرہ سے آئندہ زندگی پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عائلی زندگی کی خرابیوں سے بچنے کے لیے جو چیز ضروری ہے وہ ''تقویٰ'' ہے۔ حیا اسلام کی اخلاقی بنیاد ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ نظروں کو جھکائے رکھو۔ عورتوں کو قرآن میں سمجھایا گیا ہے کہ وہ کسی اجنبی سے بات کریں تو اپنی آواز میں لوچ پیدا نہ کریں۔ ان تمام تنبیہات کے باوجود بھی اگر ایک شخص گناہ کرتا ہے تو پھر اُس کے قوانین بھی قرآن دیتا ہے اور انسداد بھی کرتا ہے۔ آزادانہ اختلاط کی ممانعت اور لباس و ستر کا اہتمام یہ سب چیزیں گھر کو جنت بناتی ہیں۔

اس کے بعد دوسرے مقرر نصر اللہ نے جو خویشگی اُسرہ کے نقیب ہیں، ''اولاد کی تربیت'' کے موضوع پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کی تربیت ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ تربیت میں مختلف چیزوں کا خیال رکھا جائے یعنی دینی تربیت، معاشرتی تربیت اور جسمانی تربیت وغیرہ۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کے بستر الگ الگ ہوں، انہیں دائیں کروٹ پر سونے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ دائیں ہاتھ سے کھانے کی تربیت دی جائے۔ اسی طرح قضاء حاجت، چھینک وغیرہ آنے پر طرز نبویؐ کی تعلیم دی جائے۔ والدین کی قدر، بڑوں کا ادب، سچ اور جھوٹ کا فرق، فضول کاموں اور باتوں سے پرہیز، عمر کے اعتبار سے نماز پڑھنے میں سختی، صفائی، نشہ آور چیزوں الغرض زندگی کے تمام کاموں میں اصل راستے کی نشاندہی کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جسمانی تربیت یعنی مناسب کھیل کود کا اہتمام ہو۔ آخر میں انہوں نے بتایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا دنیا سے اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ ان تین چیزوں میں سے ایک نیک اولاد ہے۔ ہمیں اپنی اولاد کی تربیت ایسی بنیادوں پر کرنی چاہیے جس سے وہ دنیا میں ہمارے لیے باعث رحمت ہو نہ کہ باعث زحمت اور مرنے کے بعد صدقۂ جاریہ بنے۔

اس کے بعد اُسرہ نوشہرہ کینٹ 2 کے نقیب ڈاکٹر زبیر احمد خان نے ''نبی اکرم ﷺ بحیثیت شوہر'' کے موضوع پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا سب سے خوبصورت اور اہم پہلو توازن ہے، جہاں آپؐ ایک سپہ سالار ہیں، ہیڈ آف دی سٹیٹ ہیں، وہاں آپؐ ایک شوہر، ایک شفیق باپ اور ایک بہترین ہمسایہ بھی ہیں۔ شوہر کی حیثیت سے بھی آپ کی مثال دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ آپؐ کا پہلا عقد بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے

ہوا۔ آپؓ نے خود آپ ﷺ کو پیغام نکاح بھیجا، حالانکہ عرب کے اور بہت سے لوگ آپؓ سے عقد کے خواہشمند تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق نے انہیں آپ ﷺ کی طرف پیغام نکاح پر مجبور کیا۔ آپؓ خود بھی ایک اعلیٰ اخلاق کی حامل خاتون تھیں۔ آپؓ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ کے بارے میں حضرت خدیجہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیسے تھے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ گھر میں ہوتے تو چھوٹے بڑے کام خود کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہوں۔

پروگرام کے آخر میں مقامی امیر تنظیم قاضی فضل حکیم نے ''گھریلو زندگی، مشرق و مغرب اور اسلام'' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی اور اس کے ساتھ ہی یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس پروگرام میں 13 رفقاء اور 4 احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: محمد سعید قریشی)

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد جنوبی کے زیر اہتمام تربیتی کورس

حلقہ سرحد جنوبی کی جانب سے مبتدی رفقاء کے لیے ایک تربیتی کورس پشاور میں سعد اللہ جان کالونی کی جامع مسجد ابوبکر صدیق ؓ میں منعقد ہوا۔ یہ تربیتی کورس 21 مارچ سے شروع ہو کر 27 مارچ کو اختتام پذیر ہوا۔ اس کورس میں 11 مبتدی رفقاء شریک ہوئے، جن میں 10 کا تعلق تنظیم اسلامی پشاور، تنظیم اسلامی پشاور غربی اور تنظیم اسلامی نوشہرہ سے تھا۔ چند رفقاء نے جزوی طور پر شرکت کی۔ تربیتی کورس کی مجموعی ذمہ داری امیر تنظیم اسلامی حلقہ سرحد جنوبی میجر (ر) فتح محمد کی تھی۔ انہوں نے نہایت احسن طریقے سے اِس کورس کو آرگنائز کیا۔ انجمن خدام القرآن سرحد کے صدر ڈاکٹر محمد اقبال صافی، امیر تنظیم اسلامی پشاور غربی محمد سعید، امیر تنظیم اسلامی پشاور خورشید انجم اور تنظیم اسلامی پشاور کے دیگر کئی رفقاء نے بھی کورس میں جزوی شرکت کی جس سے شرکاء اور مقررین کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔

تربیتی کورس میں شرکاء کو روزانہ صبح چار بجے تہجد کی نماز کے لیے جگایا جاتا تھا۔ تہجد اور مسنون اذکار کی ادائیگی کے بعد مسنون دُعائیں یاد کرائی جاتیں۔ نماز فجر کے بعد درسِ قرآن دیا جاتا رہا، جو سورۃ الزمر، سورۃ الحدید، سورۃ المزمل، سورۃ الاحقاف، سورۃ المطففین اور سورۃ التغابن کی منتخب آیات پر مشتمل تھا۔ مغرب تا عشاء روزانہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ویڈیو خطاب بعنوان ''اسلام کا انقلابی منشور'' دکھایا گیا، جب کہ آپؒ کا ایک اور ویڈیو خطاب ''جہاد فی سبیل اللہ'' بھی اس کورس کے نصاب کا حصہ تھا۔ اس سے شرکاء پر جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم واضح ہوا اور کئی مغالطے دور ہوئے۔ سات روزہ تربیتی کورس کے دوران جن موضوعات پر خطابات ہوئے اُن میں ایمانیات ثلاثہ، عبادات و رسومات، عبادت رب، شہادت علی الناس، اخلاقیات، کتاب ہدایت، اور ''قرار داد تاسیس'' شامل تھے۔ تربیتی کورس کا نصاب جناب رحمت اللہ بٹر (مرکزی ناظم دعوت و تربیت) ڈاکٹر حافظ محمد مقصود، میجر (ر) فتح محمد (امیر تنظیم اسلامی حلقہ سرحد جنوبی) قاضی فضل حکیم، خورشید انجم اور خالد محمود عباسی (نائب ناظم اعلیٰ شمالی زون) نے بہت عمدگی سے پڑھایا۔

اس کورس میں شریک ایک رفیق تنظیم عبد الناصر صافی نے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ میں ایک سالہ کورس کر چکا ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ اس تربیتی کورس سے ایمان کو تازگی اور فکر کو جلا ملی ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اور پھر تمام مقررین، منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے ہمیں یہ سنہری موقع فراہم کیا کہ ہم ازسرِنو اللہ سے اپنے کیے ہوئے عہد بندگی کو تازہ کریں۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ مجھے تربیت گاہ (کورس) سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ میں ایک سالہ کورس کر چکا ہوں، مگر جب میں نے اس میں شرکت کی تو مجھے احساس ہوا کہ اس میں مجھے شمولیت کرنی چاہیے تھی۔ جن باتوں کی طرف میرا پہلے دھیان نہیں گیا تھا، اس تربیت گاہ (کورس) میں انہی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔

حاجی خدا بخش (جو اس کالونی کے مکین ہیں) اور محترم وارث خان نے قیام و طعام کا بہت ہی عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ دیگر معزز مکینوں نے بھی تربیتی کورس میں شریک رفقاء کی بھرپور تواضع کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

شرکاء کو بتا گیا تھا کہ تمام مبتدی رفقاء امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کے ہاتھ پر بیعت کریں گے مگر اُن کی چند دیگر ناگزیر مصروفیات کی بناء پر مبتدی رفقاء کی بیعت نہ ہو سکی۔ چائے کے وقفہ میں محترم امیر تنظیم اسلامی نے سب رفقاء سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ اللہ پاک سے دُعا ہے کہ ہم نے جو کچھ اِس تربیت کورس میں سیکھا، پڑھا، دیکھا اور جو وقت گزارا، اِس کو غلبہ دین کی اِس جدوجہد کے لیے معاون اور ہماری کامیابی کا وسیلہ بنا دے۔ آمین

(مرتب: مسعود جاوید میر)

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی کے زیر اہتمام امریکی جارحیت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی پنجاب شمالی کے زیر اہتمام 27 مارچ کو ملک میں بڑھتی ہوئی امریکی مداخلت اور جارحیت کے خلاف راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ سے جی پی او چوک تک ایک احتجاجی مارچ کیا گیا۔ جی پی او چوک میں شرکاء سے ناظم حلقہ پنجاب شمالی راجہ محمد اصغر نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان اور عراق پر براہِ راست حملہ اور پاکستان پر امریکی ڈرون حملے صلیبی جنگ کا حصہ ہیں۔ ہمارے قبائلی بھائی ہمیشہ سے پاکستان اور اسلام کے وفادار رہے ہیں، مگر افسوس کہ آج اُن پر دہشت گردی کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ حالانکہ ملک میں دہشت گردی بلیک واٹر، سی آئی اے، را اور موساد کرا رہی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنی پالیسیاں تبدیل کرے۔ ہم عوام الناس سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ گھروں سے باہر نکلیں اور نفاذ اسلام اور امریکی جارحیت کے خلاف تحریک چلائیں۔ اسی میں ہماری بقا و سلامتی ہے۔ مظاہرین نے بینرز اور پلے کارڈز اُٹھا رکھے تھے جن پر احتجاجی نعرے اور مطالبات درج تھے۔

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور میں شامل ہونے والے رفقاء کے ساتھ تعارفی نشست

28 مارچ ء بروز اتوار صبح دس بجے مسجد بنت کعبہ سمن آباد میں حلقہ لاہور میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کی امیر حلقہ سے باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ اس پروگرام میں رفقاء کی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے چار مراحل میں کام کیا گیا۔ پہلے مرحلے میں دفتر حلقہ سے تمام رفقاء کو فرداً فرداً خط کے ذریعے سے پروگرام کی تاریخ و تفصیل سے آگاہ کیا گیا۔ دوسرے مرحلے میں تمام امراء تناظیم کو اُن کے رفقاء کی فہرست فراہم کی گئی، تاکہ وہ خود یا بذریعہ نقیب متعلقہ رفقاء سے رابطہ کریں۔ تیسرے مرحلے میں دفتر حلقہ سے رفقاء سے فون پر رابطہ کیا گیا اور چوتھے مرحلے میں امراء تناظیم سے فیڈ بیک لی گئی۔

پروگرام کا آغاز مقررہ وقت پر تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ حافظ محمد وقاص نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی تلاوت و ترجمہ بیان کیا۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے اپنا تعارف کرایا۔ بعد ازاں اُن کی ہدایت پر پروگرام میں شامل ہونے والے رفقاء نے نام، تعلیم، رہائش اور تنظیم میں کب شامل ہوئے؟ کے عنوانات کے تحت اپنا تعارف کرایا۔ اس کے بعد آفتاب الرحمٰن نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر مختصر گفتگو کی۔ پروگرام کے اگلے مقرر محمد مبشر تھے۔ اُنہوں نے ''جماعت اور بیعت کی اہمیت'' پر بیان کیا۔ پروگرام کے دوران امیر حلقہ رفقاء کے سوالوں کے جوابات بھی دیتے رہے۔ تجمل حسن میر صاحب نے رفقاء کو تنظیمی ڈھانچے سے آگاہ کیا۔

societies and in two not merely different but antagonistic cultures". According to Park, this situation of being marginalized can cause a person, whether adult or child, to suffer anxiety over a conflict of values and loyalties. Adults leave the security of their religious groups everyday and thereby risk being labeled renegades by their own people. Marginalized adults then begin to feel frustration, hypersensitivity, and self-consciousness.

Everyday, we formulate answers and then when the tide begins to pull us away from the safety of the shore, we hurriedly scratch out our answers and formulate new ones. Remember, we are part of this society, whether we like it or not. We cannot just abandon the people about us. We cannot plainly say no, you cannot be my friend. We cannot just insulate our children, ourselves, in a package labeled *in transit*. We cannot simply deny societal interaction, human interaction. We cannot become hermits.

And, yet, at the same time, we cannot simply throw our children out the door and say, Make friends with that boy or girl living across the street. We cannot just insert our children and ourselves into any available slot in the potentially dangerous society around us.

Sounds simple enough in theory. What happens when our daughter grows up all her life in the midst of girlfriends who all of a sudden experience natural spikes of estrogen, acquire boyfriends, and begin dating? Will you then go to her after years and years of letting her do as they do and tell her that she cannot do as they do? What happens when you are invited to a club with all the contemporaries who hold you in such high esteem and you say no and risk your relationships, your job even?

Likewise, what happens when you insulate your child to the point where he or she develops a social stigma, that he or she is denied the healthy social interaction that all the other children have?

We are playing a dangerous game. We chose to be Americans, and we should therefore function as Americans, as good helpful citizens and that means real interaction, real relationships. And yet we chose simultaneously to be Muslims and that means avoiding the vices of society, the revelry, the harm that is no doubt out there.

Answer wisely! (*Courtesy: Al-Jumuah*)

❀ ❀ ❀

بعدازاں امیر حلقہ نے ملٹی میڈیا کے ذریعے بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اور امیر تنظیم محترم حافظ عاکف سعید کا تعارف کرایا۔ آخر میں محسن محمود نے رفقاء کے اوصاف اور ذاتی احتسابی یادداشت کے حوالے سے گفتگو کی۔ پروگرام کا اختتام اجتماعی کھانے کے بعد نماز ظہر کی ادائیگی پر ہوا۔ (مرتب: محمد یونس)

اظہار تشکر

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں فکری تربیتی اجتماع (منعقدہ فیصل آباد) کی میزبانی کی سعادت بخشی

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں خصوصی فکری تربیتی اجتماع منعقدہ 4 تا 9 اپریل 2010ء کے شرکاء کی میزبانی کی سعادت بخشی۔ ابتدا میں اگرچہ کسی قدر آزمائش پاور سپلائی کے تعطل کی وجہ سے پیش آئی، تاہم یہ بھی ذات باری تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا ظہور تھا جس نے ہم سب کو صلوٰۃ الحاجہ کی صف میں کھڑا کر کے ہمارے دامن کو اپنی رحمت سے بھر دیا اور بعد کے سارے پروگرام اطمینان بخش طریقے سے ہوتے رہے۔ ہمارے کارکن رفقاء ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شرکاء کی خدمت میں مصروف رہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے رفقاء واحباب کے دل بھرنے کو نہیں آ رہے تھے۔ جن کی وجہ سے رہائش اور لذت کام ودہن کا وافر سامان میسر رہا۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود محترم بانی تنظیم اسلامی کی اجتماع میں شرکت ہمارے لیے مزید خوشی اور اطمینان کا باعث بنی۔ انتظامات کی دوڑ دھوپ میں شرکاء کے ستائشی کلمات اور کسی تنگی کے دوران شرکاء اجتماع کا تحمل ہمارے لیے حوصلے کا ذریعہ بنے رہے۔ خادمین اجتماع کے حوالے سے جو خیر سامنے آیا، وہ ذات باری تعالیٰ کی رحمت کا ظہور تھا، جس کے لیے ہم بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور شرکاء کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُكُوۡرًا ۝۹﴾ (الدھر) کہیں کوئی خرابی پیش آئی یا کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو وہ ہماری طرف سے ہوئی، جس کے لیے ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ آخر میں ہم انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر اور منتظمین کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ادارہ کی عمارت اور سہولیات فراہم کرنے میں بھرپور تعاون فرمایا۔

ان سطور کی تحریر کے دوران بانیٔ محترم دنیا فانی سے رحلت فرما گئے۔ ان کا خالق حقیقی سے تعلق اور چاہت کس قدر راسخ تھا، یہ اُن کے اُن کلمات سے واضح ہیں جو انہوں نے 10 اپریل 2010ء کو مرکزی شوریٰ کے اجلاس منعقدہ قرآن اکیڈمی فیصل آبا کے دوران ارشاد فرمائے کہ "مجھ سے اسلام کے انقلابی فکر اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کے متعلق جو حاصل کرنا چاہتے ہو کر لو، شاید اس زندگی میں دوبارہ ملاقات کا موقع میسر نہ آئے، خالق کائنات نے ان کے ان کلمات کو سچا کر دکھایا اور وہ 13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب رات ساڑھے تین بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے شروع کیے ہوئے اقامت دین کے مشن کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

ناظم اجتماع گاہ، محمد رشید عمر (امیر حلقہ فیصل آباد)

Ahmad Haleem

To Assimilate or Not To Assimilate

In Pakistan, there has always been a tendency in general public to portray western societies as ideal. For one reason or another, the majority of our people just do not seem to be satisfied in their own homeland and show an inclination towards shifting to USA/Canada/Britain or any other such country. They do not realize the nature of social and religious conflicts that one has to face while living in an alien society. The following essay should be read in this context! (Editor)

In the social sciences, scholars refer to "assimilation" as the process by which members of racial or ethnic minorities are able to function in a society without indicating any marked cultural, social, or personal differences from the people of the majority group. What this definition does not mention is the idea of religious minorities being able to function within a given society.

In the case of Muslims living in America, we are religiously distinct from the mainstream population, a factor that places us in district contrast with our close neighbors, our colleagues, and very often, our own families. And yet, we are distinctly Americans. Yes, whether you like it or not, whether you think that I am nationalistic or a confused person, I will tell you that we speak "American". We eat "American". We walk "American". We react "American". We are American.

Because we *are* an integral part of this society and cannot ethically nor rightfully divorce ourselves from its midst, we consistently find ourselves becoming polarized, playing the dangerous psychological game of dual personalities, living the detrimental lives of Dr. Jekyll and Mr. Hyde everyday of our existence on Western shores. And so the question boils down to the simple yet paradoxically complex question that we all have and continue to answer by way of our decisions and our actions taken in this nation: Shall we socialize or not socialize? And by way of extension, shall we assimilate or not assimilate?

The previous question is the inquiry of our time and whether we like it or not, answers are being made everyday and decisions are being taken that may be detrimental in one way and positive in another. I am well aware, as all of you are, I am sure, that assimilation is hyped by the fact that we can become *like* everybody else, that we can be "normal" and "fully functional" components of society.

Likewise, we are all well aware that to choose not to assimilate is glorified by the fact that we can remain culturally "virgin" and largely unscathed by the vices of the dominating society encompassing us. So what do we do? What has been done by our predecessors? Our contemporaries?

Well, some have chosen to shed their identities all together, whip off the scarf (or beard for that matter), drop family names like bad habits, cut family ties, and dive head first into the popular society before them. Then there are those who condemn the larger society all together, assume it as purely evil, cut themselves off, and go off into the proverbial hills and live like hermits. What a dichotomy!

Then there are those of us that live life being polarized, being antiheroes in their own confused story. These are the ones that live caught between two worlds. These are the ones that cannot decide, that cannot make a choice, that cannot answer the question of our time, our location. These are the ones that live in multiple social loci. At home, their parents attempt to insulate them in an exclusive environment separate from the outside world. Meanwhile, through school and other external experiences, the youth exist in another world, separate from the insulation, separate from their other experienced worlds.

Robert E. Park, an American sociologist, describes the devastated and confused marginal person as being one "whom fate has condemned to live in two